۷۸۶

سبحانہ ما اعظم شانہ

حصہ اول

ریاضِ امجد

(مصنفہ)

سید احمد حسین امجد
حیدرآبادی

قیمت
دو روپے

مطبوعہ عماد پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن
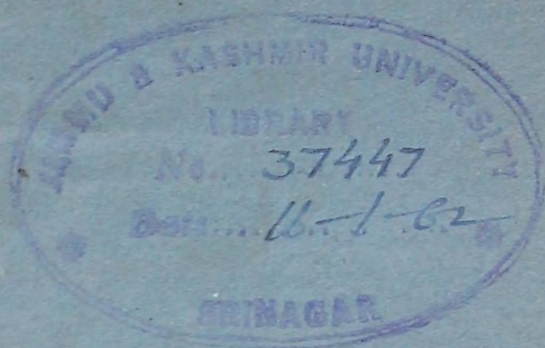
اُفَوِّضُ اَمرِی اِلَی اللّٰہِ

ناظرین کرام! میں اپنے مرحوم و مغفور محسن مولوی سید عبد الغنی صاحب وارثی کے اصرار و فرمایش پر انہیں کی یادگار میں ان مختلف مضامین اور بے نظم نظموں کا مجموعہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں - زبان پر قادر نہیں ہوں رموز نظم سے ماہر نہیں ہوں - بے علم مصنف اپنی بے علمی و کم استعدادی کا عذر کر کے نکتہ چینوں کی حرف گیری سے ہزار جان بچائے مگر پھر بھی شعر گفتن چہ ضرور بود ضرور کہا جا سکتا ہے -

بعذر ز توبہ تواں رست از عذاب خدا ولیک می نتواں از زبان مردم رست

برائے نام فقط یہ ریاض امجد ہے ہے نام زنگی کا کافور ٹھیک اسکی مثال

نہ ذکر بلبل و گل ہے نہ داستانِ بہار نہ وصف شاہد و ساقی نہ مدح عارض و خال

نہ کوئی لطف زباں ہے نہ خوبی مضمون نہ حسن و عشق کا قصہ نہ شاعرانہ خیال

مفاخرت کیلئے کیوں کہوں لگی لپٹی بیان کر دیا جو کچھ تھا واقعی احوال

اب اختیار تمیزی پہ چھوڑتا ہوں اسے

تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

ابن صوفی ابو الاعظم امجد حیدرآبادی
جدید آغا پورہ - حیدرآباد دکن

۱۳۴۲ھ
۱۲ ذیقعدۃ الحرام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں نے مولوی سید احمد حسین امجد کی نظموں کا مجموعہ بہ تمام و کمال دیکھا۔ اس مجموعہ میں بہت سی نظمیں مختلف عنوانوں پر ہیں۔ ہر نظم علم اخلاق کی ایک بہتر کتاب ہے۔ طرز ادا دل کش زبان نہایت صاف مضمون حسبِ حال اور موثر ہے، اگرچہ کہ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں کی رباعیاں امجد صاحب کا خاص حصہ ہیں۔ لیکن ان کی نظم اور تضمین بھی ان کی استادی اور قادر الکلامی کی اعلیٰ سندیں ہیں۔ یوں تو ہر نظم اپنی طرز میں لاجواب اور بےمثل ہے۔ لیکن **جوشِ رحمت۔ دنیا اور انسان۔ ماں اور بچی۔ میری قمری** اسنو ہیلتا۔ قیامت صغریٰ خصوصیت کے ساتھ قابل تحسین اور لایق داد ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ مجموعہ عوام کیلئے عموماً اور صاحبانِ نظر کیلئے خصوصاً بیحد مفید اور کار آمد ثابت ہوگا۔

سیہ نامی سگ دنیائے دنی

عبد الغنی وارثی

۱۰ فروردی ۱۳۲۷ف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صنعت تیری ہر خار دکھا دیتا ہے
غنچہ غنچہ گل گل تیری صدا دیتا ہے

ہر اصل اصول معرفت ہی یا رب
پتہ پتہ ترا پتہ دیتا ہے

مناجات
بدرگاہِ قاضی الحاجات

او میرے مالک! او عرش والے ۔۔۔ جلوے ہیں تیرے سب سے نرالے
ہم غمزدوں کا غمخوار ہے تو ۔۔۔ ستار ہے تو غفار ہے تو
تعریف تیری میری زباں پر؟ ۔۔۔ اللہ اکبر - اللہ اکبر

ہوں سر سے پا تک تصویر عصیاں ۔۔۔ اعمال بد سے اپنے پشیماں
ہر دم ہے لب پر با نالہ و آہ ۔۔۔ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ أَسْتَغْفِرُ الله
نخل معاصی دل سے قلم کر ۔۔۔ ہم بیکسوں پر یارب کرم کر
کب تک پکاروں شام و سحرگاہ ۔۔۔ اللہ! اللہ! اللہ! اللہ!

کیوں زندگی ہے برباد میری؟ ۔۔۔ کیوں بے اثر ہے فریاد میری؟
گر تو کہے گا بدکار ہے تو ۔۔۔ میں بھی کہوں گا غفار ہے تو
ہے بیکسوں کو تیرا سہارا ۔۔۔ بندہ نوازا! پروردگارا!
سب نے کیا اب ہم سے کنارا ۔۔۔ لے دے کے ہے اک تیرا سہارا
مقصد جب اپنا تجھ سے نہ پائیں ۔۔۔ کس کو پکاریں: کس در پہ جائیں

تیرے سوا اب ہے کون میرا
بیچارا امجد بندہ ہے تیرا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

محمد

گر دیتیمی بر تاجِ گوہر اللہ اکبر اللہ اکبر
شاہِ دو عالم بے تخت و افسر اللہ اکبر اللہ اکبر
واللیل تارے زاں زلف پیچاں والشمس خالے رو درخشاں
در جسم خاکی نور مطہر اللہ اکبر اللہ اکبر
اے مہ لقائے شیریں ادائے بر آب تیغت جانم فدائے
کن ذبح بازم گو بار دیگر اللہ اکبر اللہ اکبر
اے در کفِ تو دارو ئے دلہا اے در لبِ تو اعجاز عیسیٰ
با شوق دارم سر زیر خنجر اللہ اکبر اللہ اکبر
آں جانِ عالم بیروں برآمد صد جانِ عالم بیروں برآمد
ہم خلق قاتل ہم بندہ پرور اللہ اکبر اللہ اکبر
آں مظہر حق محبوب خالق چوں رخ نماید چوں صبح صادق
گوید بلال از آواز خوشتر اللہ اکبر اللہ اکبر
پروائے عالم امجد ندارد کاؤس و کے را کے بر شمارد
ساقی کوثر در داد ساغر اللہ اکبر اللہ اکبر

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ

یک شب شہِ کون ومکاں درشوق رب دو جہاں بگزشت از نہ سماں آں

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ

ازپرتوِ ماہِ عرب - وز جلوۂ محبوب رب زد خندہ برخورشید شب

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

بدراتم - مہر کرم - نیکو شیم - خیر الاُمم کہف الوری شاہ ہدی

حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ

امجد نداده درجہاں کاے صاحبان ذیں نشاں خواہید گر زآتش اماں

صَلُّوا عَلَیہِ وَآلِہٖ

جذباتِ محسن

بجائے صفحہ آنکھوں میں رہا نقشہ کسی خد کا
سیاہی نے دیا دھوکا سوادِ چشم اسود کا

الف کھینچا ہے سینہ پر کسی قد سہی قد کا
مٹایا لوحِ دل سے نقش ناموسِ اَبے جد کا

دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھکو ابجد کا

شہید اُس نے کیا ہی آج کسکو تیغ مژگاں سے
پریشاں کیوں ہے پوچھے تو کوئی زلف پریشاں سے

ٹپکتی ہے اُداسی مثل شبنم روئے خنداں سے
الٰہی کس کے غم میں نکلے آنسو چشم فتاں سے

کہ عطر فتنہ میں ڈوبا ہے رومال اس سہی قد کا

خطِ رخسار نے دل سے مٹا دی ساری مشتاقی ۔ گئے دن نازبرداری کے آباد و رناچاقی
بڑھیگا اب نہ بوسے کیلئے دستِ ہوس ساقی ۔ کہاں ہے آتشِ یاقوت لب میں وہ بھڑک باقی
کہ خطِ سبز نے چھینٹا دیا آبِ زمرد کا

تری پہلو نشینی کی ہوس ہو کس طرح دل میں ۔ صدائے "خود بخود نشناس" ہے ہر جان مشکل میں
جگہ اتنی تو دے عاشق کو غیروں کے مقابل میں ۔ کنارے پر بٹھا لے مجھ کو ظالم اپنی محفل میں
گناہِ شوق بیحد سے جو میں ہوں مستحق حد کا

جلا دی صفحۂ دل کو مٹا کر جو صلے دل کے ۔ پئے تصویر دھوئے آنسوؤں سے آنکھ کے پردے
بہت کیں تو نے تدبیریں ہزاروں ہی کئے حیلے ۔ بنایا خامۂ مو کو ہمارے دست لاغر سے
کھینچا لیکن نہ دامن اے مصور اس سہی قد کا

ستمگر اس قدر نا آشنائی آشنا ہو کر ۔ بہت پچھتائیگا انجام میں یا ہم سے خفا ہو کر
یہ ساری شوخیاں مٹ جائیں گی نقش فنا ہو کر ۔ اڑیں گے چٹکیوں میں تیر ترکش سے جدا ہو کر
ہمارے بعد ہے اللہ تیرے ظلم بے حد کا

طریقِ عشق میں مرنا ہی اصل طریقت ہے ۔ سر خوانِ محبت تلخ کامی بھی حلاوت ہے
پرستش تیری اے محبوب عین عبادت ہے ۔ ترے بازار میں ایماں فروشی رکن طاعت ہے
دمِ سودا بنا سنگِ ترازو سنگِ اسود کا

رخِ روشن کے آگے گل ہے شمعِ انجمن واللہ ۔ قیامت خیز ہے چتون غضب ہے بانکپن واللہ
پڑھے کلمہ ترا دیکھے تجھے گر برہمن اللہ ۔ تری کیا بات ہے اے شاہدِ پاک سخن اللہ
عجب انداز ہے ناز و ادا کا چال کا قد کا

ترا دستِ حنائی یا مری مژگانِ پرخوں ہے — مرا اعمال نامہ یا ترا گیسوئے شب گوں ہے
محبت ہے مری یا تیرا حسنِ روز افزوں ہے — مری طبعِ رواں ہے یا تری رفتارِ موزوں ہے
مرا مصرع ہے یا سیدھا سا مضموں ہے ترے قد کا

صفائے نظم تیرے گوہرِ دنداں کا خاکا ہے — ترے موزوں سراپا کا نمونہ فرد یکتا ہے
بہارِ مطلعِ رنگیں ترے ابرو کا نقشا ہے — تری زلفِ رسا کا شعر اک ادنی سا لٹکا ہے
کرشمہ ہی غزل تیری غزالِ چشمِ اسود کا

محبت کا تری پھندا گلے میں اپنے ڈالا ہے — خدا سے خاص ملنے کا یہی رستہ نکالا ہے
خدا شاہد ہے تیری دید - دیدِ حق تعالیٰ ہے — میسر ایک جلوے میں مجھے لطفِ دوبالا ہے
کیا ہے دیدۂ احول سے نظارہ ترے قد کا

کبھی جاتا ہوں کعبہ کو کبھی ہوں عازمِ بطحیٰ — اِدھر بھی ہے وہی صورت ادھر بھی ہے وہی نقشا
تردد میں نظر آتا نہیں رستہ تعین کا — احد کو کیجئے یا احمد نے میم کو سجدا
عجب مشکل ہے مضموں میرے مفہومِ مردد کا

ہدایت کی شعاعوں سے ضلالت کا مٹا سایا — رخِ روشن نے غارت کر دیا ظلمت کا سرمایا
سوادِ ابروے خمدار نے کیا رنگ دکھلایا — ہوئی شام آفتابِ بت پرستی پر زوال آیا
مہِ نو خوب چمکا بدر میں تیغِ محمد کا

مطلع

مقابل اس کے ہو زہرہ کہاں چرخِ زبرجد کا — طواف اس کا ملک کرتے ہیں وہ رتبہ ہے گنبد کا
مفصل ذکرِ حبیب ممکن نہیں اوصافِ بیحد کا — لکھوں اک مختصر جملہ کہ روضہ ہے محمد کا
یہی مسند الیہ اچھا سبب ہے رفعِ مسند کا

کہاں وہ عرش اعلیٰ اور کہاں یہ خاک کا تودا — بھلا خاک سیہ کو اُس رُخ روشن سے نسبت کیا
تحمل کیا کوئی آسان ہے حق کی امانت کا — پڑا لرزہ میں ہیں جسم اطہر جب اسے سونپا
سکوں کے واسطے نافع ہوا تعویذ مرقد کا

نظر آتے ہیں مرغانِ حرم بھی مرغ بسمل سے — صفا مروہ کا پتھر سا جگر بھی ہو گیا ٹکڑے
عجب کیا چشم زمزم روتے روتے خشک ہو جائے — عجب کیا ہے اگر کعبہ لباس ماتمی پہنے
کرے ہمچشمی یعقوب دیدہ سنگ اسود کا

مطلع

دو عالم میں ہے اک شہرہ ترے حسن مجدد کا — خدائے دو جہاں کرتا ہے نظارہ ترے خد کا
مبرا آب و گل سے ہے ہیولا ذاتِ ارشد کا — محمد مصطفےٰ پتلا ہے تو نور مجرد کا
ہوا خورشید اقلیم عدم سایہ ترے قد کا

خلش میری طرف سے دوستو! دل میں نہ آنے دو — طبیعت آزمائی کچھ نہیں اس میں جو سچ پوچھو
یہ کب منشا تھا میرا شاعرانہ کوئی جدت ہو — بمجبوری لکھا اَلیَدُ کی صورت لفظ اللہ کو
نہ آیا ہاتھ اچھا قافیہ جب کوئی احمد کا

نہیں ذاتِ احد کچھ دور احمد کی حقیقت سے — الف اللہ کا ملتا ہے بالکل تیرے قامت سے
مقدم ہے تری تکوین لفظ کن کی خلقت سے — کھنچی پہلے تری تصویر ازل میں دست قدرت سے
ہوا لفظ خدا سے اشتقاق اول ترے خد کا

کئے پہلے پہل حق نے ہزاروں انبیا پیدا — کیا نظارہ پھر تفصیل سے ہر اک کی سج دھج کا
جنچا کوئی نہ نظروں میں نہ بھایا ایک بھی نقشا — مٹا ڈالیں بنا کر صورتیں آدم سے تا عیسیٰ
تب آراستہ نقشا کلک قدرت سے ترے قد کا

فلک کو چاند تاروں سے زمیں کو گل سے زینت دے
عطا کی لہلہاتے کھیت سے جنگل کو سرسبزی
مٹایا داغ کثرت شمع وحدت کو ضیا بخشی
خدا نے زیب زینت کی جو بزم آفرینش کی

لگایا اس میں قد آدم آئینہ ترے قد کا

پتہ دیتی ہے جنت کا بہار عارض نیکو
دہان تنگ سے ملک عدم کا راستہ پوچھو
قد موزوں کے مضموں سے نکالے ہم نے پہلو دو
بنایا رہنما جب عالم ایجاد کا تجھ کو

ہوا خضر سر راہ عدم سایہ ترے قد کا

رہی مصروف فطرت رات دن نعت پیمبر میں
اسی سرکار کی الفت کا خلعت ہے مرے بر میں
بھلا اتنی تو عزت ہو مری درگاہ داور میں
فرشتے دیکھکر مجھ کو کہیں دیوان محشر میں

جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمد کا

رہوں میں دور زر آلودگی حرص بیجا سے
تمنا کا اثر مٹ جائے قلب پر تمنا سے
نہ کوثر کی رہے خواہش نہ مطلب جام و مینا سے
ہرن ہو میرا نشہ نشاۂ دین و دنیا سے

رہوں خائف تصور کر کے میں وہ دال سے دد کا

شعاع مہر خاور کا چلے جب حلق پر خنجر
بغل میں ہو ہر اک کے نامۂ اعمال کا دفتر
کھرے کھوٹے کی جب ہو جانچ پیش حضرت داور
برنگ زر چڑھے سونا مرا میزان محشر پر

اٹھوں میں قبر سے مخمور تیری چشم اسود کا

پیام یار لائے روشنائی میرے نامہ کی
کوئی جدت دکھائے روشنائی میرے نامہ کی
لطافت ایسی پائے روشنائی میرے نامہ کی
الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامہ کی

بڑا معلوم ہو لفظ احد میں میم احمد کا

مدینہ کی جوگن

خطاب بلبل سے!

او خوشنوا پرندے فریاد کرنیوالے — اور اپنی زندگانی برباد کرنیوالے
نالوں سے خوش دلوں کو ناشاد کرنیوالے — معشوق بیوفا کو او یاد کرنیوالے

گل کی تجھے تجسس میں رشکِ گل کی جویا
اِس کے ساتھ ڈھونڈیں آ عندلیب گویا

خطاب کویل سے!

او میری کالی کویل! او غم میں جلنے والی — آواز تیری دلکش! کو کو تری نرالی
ماتم میں کس کے تیری رنگت ہوئی ہے کالی — کس کی تلاش میں تو پھرتی ہے ڈالی ڈالی

دلچسپ میرا نالہ دل کش تری صدا ہے

خطاب پپیہے سے! — میں تیری ہمزباں ہوں تو میری ہمنوا ہے

بیچین ہے پپیہے کس کیلئے تو اتنا — یہ حال کس کے غم میں یوں ہو گیا ہے تیرا
یہ کالی کالی راتیں۔ یہ وقت راحت افزا — دنیا تو سو رہی ہے تو جاگتا ہے یہ کیا؟

سچ ہے تجھے بھی غم نے برباد کر دیا ہے

خطاب پروانہ! — تیری زباں پہ پی پی لب پر مرے پیا ہے

او کشتۂ محبت! غم سے نہ ڈرنیوالے — او ننھے کیڑے! سر کی پروانہ کرنیوالے
او شمع محفل غم! جل جل کے مرنیوالے — او جان دینے والے جی سے گذرنیوالے

شیدا میں نور کی ہوں تو نار پر فدا ہے
منزل تو ایک ہی ہے رستہ جدا جدا ہے

خطاب قیس سے!

اُو قیس عامری تو کیوں پھر رہا ہے بَن بَن — ٹکڑے ہی کیوں گریباں صد چاک کیوں ہے دامن
کیوں ہے جنوں سے اُلفت انسانیت سے اَن بَن — دشمن کا دوست ہے تو عقل و خرد کا دشمن

تو خاک چھانتا ہے لیلیٰ کی جستجو میں
نکلی ہوں میں بھی گھر سے یثرب کی آرزو میں

اپنی حالت!

جوگن بنی ہوں میں بھی اپنے پیا کے کارن — چھوڑا ہے دیس میں نے اک دلربا کے کارن
کرتی ہوں آہ و نالے اک خوش ادا کے کارن — ہے چاک جیب و دامن رنگیں قبا کے کارن

مثل حنا جہاں میں اب پائمال ہوں میں
تیغ مفارقت سے بس لا مثال ہوں میں

کیا شام بیکسیاں کی یارب سحر نہیں ہے — یہ چاندنی کی راتیں رشک قمر نہیں ہے
کیوں کشتگانِ غم کی اسکو خبر نہیں ہے — کیوں نخل زندگانی تجھ میں ثمر نہیں ہے

اے ابر رحمت اینک چشمے بتو نہادم
چوں دانہ بر اُمیدت در خاک او فتادم

رکتا نہیں کسی کے روکے سے منچلا دل — سنتا نہیں کسی کی اک بات دل جلا دل
اللہ رے ڈھٹائی۔ جاتا ہی بر ملا دل — اے ہمدمو خبر لو دیکھو کہاں چلا دل

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

سُونا پڑا ہے پہلو جب سے کہ لے لیا دل — اس تن کے جھونپڑے میں تھا ایک ہی دیا دل
میں اور تجھ سے پوچھوں اے جان کیا کیا دل — اب اختیار تیرا۔ میں نے تو دیدیا دل

دل دے کے جان اپنی تیرے لئے گنوائی

خطاب بمحبوب ہے! پھر بھی مرے کنھیا دکھیا نہ یاد آئی

اُو خسرو حسیناں او تاج دل ربائی
اے رحمت دو عالم اے مرجع خدائی
الفت میں آہ راحت میں نے کبھی نہ پائی
مشکل وصال تیرا آفت تری جدائی

من شمع جاں گدازم تو صبح دلکشائی

سوزم گرت نہ بینم، میرم چو رخ نمائی

لا اعلم

اُو مست ناز آجا او شہسوار آجا
اُو سرو باغ خوبی او گلعذار آجا
آجا مرے چمن میں او نوبہار آجا
قربان تیرے آجا۔ تیرے نثار آجا

اے بادشاہ خوباں داد از غم جدائی

یک دم چو روح در تن در جانِ ما بیائی

ہر اُنی برہ کی ماری تیرے لئے بروگن
درشن سے اپنے کر دے دل شاد چشم روشن
ہاں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے منہ پہ دامن
کب سے کھڑی ہے داتا! در پر ترے بھکارن

جوگن کی جھولی بھر دے اور رام نام والے

اُس بُت کو رام کر دے اور رام نام والے

نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالی
پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے
یثرب نگر کے راجہ او کالی کملی والے

کرپا کی اک نظر ہو دکھیا پہ اپنی پیارے

بھولی نہیں میں تم کو۔ تم کیوں مجھے بسارے

بیمار کربلا کی زبانی

اے پیک نیک بیکساں اے قاصد فرخ شیم — مرہون احسانت جہاں ممنون انعامت امم

شبہا بر جا باب سپہر تو گہہ در عرب گہہ در عجم — اِن نِلتِ یا رِیحَ الصَّبا یَوماً اِلیٰ اَرضِ الحَرَم

بَلِّغ سَلامی رَوضَۃً فِیہَا النَّبِیُّ المُحتَرَم

فرقت میں جاں برباد ہی آیا ہے آنکھوں میں دم — جا کر سنائے کون انہیں افسانہ بیمار غم

پیغامبر ملتا نہیں بیچارہ و بیکس ہیں ہم — اِن نِلتِ یا رِیحَ الصَّبا یَوماً اِلیٰ اَرضِ الحَرَم

بَلِّغ سَلامی رَوضَۃً فِیہَا النَّبِیُّ المُحتَرَم

لولاک کس کی شان میں خلاق عالم نے کہا — کس کی نگاہ ناز سے ماہ مبیں ٹکڑے ہوا

کس کے رخ پر نور نے سارا جہاں روشن کیا — مَن وَجہُہُ شَمسُ الضُّحیٰ مَن خَدُّہُ بَدرُ الدُّجیٰ

مَن ذاتُہُ نُورُ الہُدیٰ مَن کَفُّہُ بَحرُ الہِمَم

کیا شکل کھینچی واہ وا قرباں ترے دست قضا — پڑھتے ہیں جسکو دیکھکر حور و ملک صل علیٰ

کیا رنگ ہے کیا روپ ہے کیا حسن ہے نام خدا — مَن وَجہُہُ شَمسُ الضُّحیٰ مَن خَدُّہُ بَدرُ الدُّجیٰ

مَن ذاتُہُ نُورُ الہُدیٰ مَن کَفُّہُ بَحرُ الہِمَم

کیا پوچھتے ہو ہمدمو ہم سے محبت کا مزا — دل چاک ہو ٹکڑے جگر تن زخمی تیغ جفا

سننا دہان زخم سے رہ رہ کے آتی ہے صدا — اَکبادُنا مَجرُوحَۃٌ مِن سَیفِ ہِجرِ المُصطَفیٰ

طُوبیٰ لِاَہلِ بَلدَۃٍ فِیہَا النَّبِیُّ المُحتَرَم

دل میں مہِ دیں کی طلب سر میں مدینہ کی ہوا — پتلی نہیں آنکھوں میں ہے تصویر محبوب خدا

جیب و گریباں کی طرح دل فرطِ غم سے پھٹ گیا
اَکْبَادُنَا مَجْرُوحَۃٌ مِنْ سَیْفِ ھِجْرِ الْمُصْطَفٰی
طُوبیٰ لِاَھْلِ بَلْدَۃٍ فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَم

کل اُمجد بے خانماں ناگاہ رستہ میں ملا
آشفتہ و شوریدہ سر مضطر پریشاں بنوا
پوچھا جو ہمنے حالِ دل رو رو کے یہ کہنے لگا
اَکْبَادُنَا مَجْرُوحَۃٌ مِنْ سَیْفِ ھِجْرِ الْمُصْطَفٰی
طُوبیٰ لِاَھْلِ بَلْدَۃٍ فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَم

پیراہنِ دل چاک ہی ٹکڑے ہیں جیب و آستیں
جلنے سے جی بیزار ہے ہو شوق ہے جانِ حزیں
اچھے مسیحا بے رخی بیمار سے اچھی نہیں
یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَدْرِکْ لِزَیْنِ الْعَابِدِیْن
مَحْبُوْسِ اَیْدِی الظَّالِمِیْنَ فِی الْمَوْکَبِ الْمُزْدَحِم

گیسوؤں والے آجا

راحتِ دل! دلِ بیتاب میں چالے آجا
بختِ خفتہ کو بھی اک بار جگالے آجا
اے مرے چاند مرے گھر کے اُجالے آجا
خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

شدتِ درد سے اب لب پہ ہیں نالے آجا
دیکھ تو زخمِ جگر ہو گئے آلے آجا
داغِ فرقت سے پڑے جان کے لالے آجا
بیکسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

رحمتِ عالمیاں کون ہوا تیرے سوا
کس کی تعریف میں ہے آیۂ لولاک لما
چاند دو ٹکڑے ہوا کس کے اشارے سے ہوا
کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوبِ خدا

اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

طاقت و ہوش تپ غم نے اُڑا رکھا ہے
عقل کو طاق پہ نسیاں کے اُٹھا رکھا ہے
بس سوا سانس کے اب جسم میں کیا رکھا ہے
دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے

لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

نوک کی لے رہی ہیں خارِ مغیلانِ صراط
پاؤں کٹ کٹ کے ہوئے جاتے ہیں قربانِ صراط
دو قدم طے نہیں ہو سکتا ہے میدانِ صراط
دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ صراط

ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

تیری کیا بات ہے کیا شان ہے اللہ غنی
تو ازل سے ہوا گنجور رموزِ احدی
گنج اسرار کی ہے ہاتھ میں تیرے کنجی
وقف ہے تیرے لئے دولت کنزِ مخفی

کھل گئے ہفت سماوات کے تالے آجا

گھر سے وہ ماہ عرب جب شب معراج چلا
راہ میں آنکھ بچھاتے تھے فرشتے ہر جا
کر کے سب منزلیں طے جب بمقام ادنیٰ
پہنچا محبوب تو مشاطۂ رحمت نے کہا

خلوتِ ناز میں اے ناز کے پالے آجا

تری تسلیم کو خم گردن افلاک ہوئی
فخر کے ساتھ زمیں نے تری پابوسی کی
ہاتھ میں تیرے دو عالم کی حکومت دیدی
ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی

اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

اس بیاباں میں نہیں خارِ من و تو کا نشاں
کفر سے کوئی غرض ہے نہ خیال ایماں
یاں نہ کثرت کی جگہ ہے نہ دوئی کا امکاں
رنگ وحدت ہے یہاں غنچۂ خلوت ہے یہاں

اے گُلِ گلشنِ لَولَاکَ لَمَا۔ لے آجا

دھیان میں میرے گناہوں کو اگر لاتے ہیں
کاتبِ نامۂ اعمال بھی شرماتے ہیں

کیا کفن خاک، احباب مجھے پہناتے ہیں
ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں

کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

دیکھیں کب تک ابھی قسمت میں ہے یہ آنسو پینا
اے مسیحا نفس اب ہو گیا مشکل جینا

ٹکڑے ٹکڑے دلِ امجد ہے بہ رنگِ مینا
صورتِ لالہ ہی پُر داغ بیاں کا سینا

پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

صدائے درویش

گدا کب تک ترے در پر صدا دے
کہاں تک انتظار نا روا دے

بہا دے فیض کا دریا بہا دے
دکھا دے شان رحمت کی دکھا دے

بھلا ہو گا ترا داتا دلا دے

کوئی دستِ طلب پھیلا رہا ہے
تپِ غم سے پچھاڑیں کھا رہا ہے

بامید و تمنّا آ رہا ہے
ذرا سننا۔ کوئی چلّا رہا ہے

بھلا ہو گا ترا داتا دلا دے

خبر لے حد سے گذری بیقراری
کرے کب تک کوئی فریاد و زاری

کہاں تک آخر اب اُمیدواری
کھڑا ہے دیر سے در پر بھکاری

بھلا ہو گا ترا داتا دلا دے

بس اب دستِ دعا مجلد بڑھا دے
دکھا دے زخم صد پارہ دکھا دے
سخی داتا کو حالِ دل سنا دے
بلند آواز سے ہاں پھر صدا دے
بھلا ہو گا ترا داتا دلا دے

دربار خواجہ رحمۃ اللہ علیہ

ہوا سیر وطن سے جب دل سیر
حیدر آباد سے چلا اجمیر
بابِ گردوں جناب تک پہنچا
نجم بخت آفتاب تک پہنچا
درِ اقدس پہ رکھ کے روئے نیاز
عرض کی میں نے اے غریب نواز
ہے ترے در سے فیضیاب جہاں
آج کس پر نہیں ترا احساں؟
اے ترا خسروانِ ہفت اقلیم
دست بر کش، ببارگاہ مقیم
خلق را ہیچش خلق نیر ماہ
داغِ مہرِ تو بود زیبِ جباہ
کس نبود از حروف وصوت آگاہ
ذکرِ مدح تو بود در افواہ
اے توئی رہبرِ دل گمراہ
شاہدِ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ
شد بمن بند بابِ خیر وصواب
افتح یا مفتح الابواب
رات دن مبتلائے عصیاں ہوں
شکلِ زلف سیہ پریشاں ہوں
کوئی دنیا میں دستگیر نہیں
ہم جوانوں کا کوئی پیر نہیں
کوئی اتنا نہیں کہ راہ پہ لائے
کوئی اتنا نہیں کہ راہ دکھائے
ہاں عبادت میں دل نہیں لگتا
ہاں تلاوت میں دل نہیں لگتا

ہمہ شب اتفاق می سازم | کہ بہ شب با خدائے پردازم
شب چو عقد نماز بر بندم | چہ خورد بامداد فرزندم
اب کسے رہنما کرے کوئی | ایسی حالت میں کیا کرے کوئی
ہاں حضور آپ کو خدا کی قسم | شاہِ لولاک مصطفٰے کی قسم
بے خبر کی بھی لیجئے گا خبر | خو گر معصیت پہ بھی ہو نظر
خواجہ خواجگاں معین الدین | کچھ ہمارے لئے بھی ہے کہ نہیں؟
کچھ ہمیں بھی بھلا عطا ہوگا | ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
دیجئے عقل حق شناسی کی | کیجئے شکل کچھ دکاسی کی
سب فقیر و امیر آتے ہیں | فیض اس آستاں سے پاتے ہیں
آتے ہیں یاں تونگر و محتاج | ہوتا ہے سب کے درد دل کا علاج
حق تعالیٰ کے ظل ہو تم خواجہ | مرہم زخم دل ہو تم خواجہ!
بھولے بھٹکوں کے رہنما ہو تم | داروئے دردِ لا دوا ہو تم
مظہر ذاتِ حق تعالیٰ ہو | ہم نے مانا کہ تم مسیحا ہو
پر مجھے تم سے کچھ نہیں حاصل | میں نہیں ایسے فیض کا قائل

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

آئی اتنے میں اک صدائے بلند | کانپ اٹھا جسکے خوف سے ہر بند
اے شکایت شعار شکوہ پسند | تو بھی ہو جائیگا کبھی خورسند
باب رحمت نہیں اگرچہ کہ بند | دے کسی کو مگر کوئی تا چند

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

جوشِ رحمت

یَا مَلَائِکَتِیْ قَدِ اسْتَجَبْتُ مِنْ عَبْدِیْ وَلَیْسَ لَہٗ رَبٌّ غَیْرِیْ

سُنا ہے کہ اک شخص تھا خوش خصال — خدا ترس، فرماں برِ ذوالجلال
نہ بھاتا اُسے کوئی دنیا کا کام — عبادت میں مصروف تھا صبح و شام
نکلتا نہ خلوت سے باہر کبھی — اُٹھاتا نہ تھا سجدے سے سر کبھی
دُعا کر رہا تھا یوں ہی ایک رات — اُٹھا کر سوئے آسماں دونوں ہات
سراپا تھا مصروفِ آہ و فغاں — صدا آئی اک غیب سے ناگہاں

بریں در دعائے تو مقبول نیست
بخواری برو یا بزاری بایست

مگر دُھن کے پکے نے چھوڑا نہ کام — رہا یوں ہی محوِ دُعا صبح و شام
مرید ایک اس کا تھا سادہ خیال — ہوا اس کو اس سانحہ سے ملال
کہا پیر سے اپنے با صد ادب — کرو عمر کیوں رائگاں بے سبب
عبادت کا سب حال معلوم ہے — کہ فیضِ اجابت سے محروم ہے
ابھی ہوش تم نے سنبھالا نہیں — نہ مانگو، جہاں دینے والا نہیں

چو پیر از مرید این سخنہا شنید
بسوز از جگر نعرۂ برکشید

کہا آہ یاں سے کہاں جاؤں گا — کریم اس سے بڑھ کر کہاں پاؤنگا
نصیحت بصد شوق کر تو مجھے — دکھا اس سے بہتر کوئی در مجھے
کہا اتنا اور پھر بسوز و گداز — پکارا کہ اے خالق کارساز
نظر ہے مری تیری رحمت پہ بس — سوا تیرے ہے کون فریاد رس
تجھے کہتے ہیں سب غفور الرحیم — تو ہے رحم فرمائے حال سقیم

چو عاجز رہا نندہ دائم ترا
دریں بے کسی چوں نخوانم ترا

جگر غم سے جب تھام لیتا ہوں میں — تڑپ کر ترا نام لیتا ہوں میں
تسلی ہے میری ترے نام سے — نہ محروم کر رحمت عام سے
نہ دیکھوں گا حرماں کی شکل مہیب — نہ جاؤں گا اس در سے میں بے نصیب
یہ مانا کہ بیحد گنہگار ہوں — سزا تو جو دے میں سزاوار ہوں
مگر کر نہ دور اپنی درگاہ سے — نہ منہ پھیر اس معذرت خواہ سے

ترا بندہ از من بہ افتد بسے
مرا چوں تو دیگر نیفتد کسے

سوا حد سے جب آہ و زاری ہوئی — غشی اس پہ اک بار طاری ہوئی
ہوا ہم بغل بخت بیدار سے — کسی نے کہا کان میں پیار سے
بیاں کر جو ہو آرزو یا اُمید — مرے بندے مجھ سے نہ ہو نا اُمید
دعا کوئی بیکار جاتی نہیں — یہاں نا اُمیدی سماتی نہیں

بلاتی ہے آ تجھ کو رحمت مری | نہ جائے گی خالی عبادت تری

قبول ست گرچہ ہنر نیستش
کہ جز ما پناہے دگر نیستش

فریادِ مجنون

عرض کی مجنوں نے حق سے ایک رات | اے مرے مالک خدائے شش جہات
اپنی نظروں سے گرایا کیوں مجھے | عاشقِ لیلیٰ بنایا کیوں مجھے؟
سوزِ غم نے دل مرا خوں کر دیا | قیس کو اُلفت نے مجنوں کر دیا
کوئے جاناں عرش ہے میرے لئے | خارِ صحرا فرش ہے میرے لئے
جامۂ دل شرک سے میلا ہوا | تیرا بندہ بندۂ لیلیٰ ہوا
مل گئیں سب آرزوئیں خاک میں | رہ گئی اُلفت دلِ صد چاک میں
اے مرے فریاد رس پروردگار | رحم کے قابل ہے میرا حالِ زار
اشکِ خوں کب تک بہاؤں آہ آہ | خاک میں کب تک اُڑاؤں آہ آہ
تجھ کو بھاتی ہے پریشانی مری | ہے تجھے منظور حیرانی مری
زندگانی کیوں مری برباد کی؟ | داد بھی کچھ ہے مری فریاد کی؟
ناگہاں اک غیب سے آئی ندا | میرے مجنوں بس نہ کر اتنا گلا
تو سراپا کشتۂ بیداد ہے | رحم کے قابل تری فریاد ہے
وصلِ لیلیٰ سے تجھے گر یاس ہے | غم نہ کر رب تیرا تیرے پاس ہے

رہتے ہیں ہر وقت ہم تیرے قریں
سنتے ہیں ہم تیری آواز حزیں

سوز تیرا ایک دلکش ساز ہے
درد کی آواز میں انداز ہے

ہے اثر تیرے دل ناشاد میں
لطف ملتا ہے تیری فریاد میں

خوشش نماید نالۂ شب ہائے تو
ذوقہا دارم بہ یارب ہائے تو

ماں اور بچی

بچی

اچھی اماں پھول بھی کیا چیز ہے
جس کی بو سے کھلتی ہے دل کی کلی

واہ واہ کیا رنگ ہے کیا روپ ہے
سبز ڈالی پر ہے کیا سرخی بھلی

ایک جا ہے آب و آتش کی بہار
یہ بھی ہے صانع کی اک صنعت نئی

ہے مشبّہ یہ عذار یار کا
خوش کن غم دیدہ ہے اسکی ہنسی

پھول جیسی چیز دنیا میں نہیں
ہر جگہ موجود غم ہو یا خوشی

ہے کبھی زیب گلوئے نو عروس
ہے کبھی تربت پہ اسکی پنکھڑی

کیوں عنا دل مرتے ہیں گل کیلئے
جب نہیں ہے پھول میں کچھ بہتری

اس لئے میں توڑ لائی باغ سے
ہے انہیں پھولوں سے میری دل لگی

امی جان دیکھو تو کیسے پھول ہیں
جس سے کھلتی ہے مرے دل کی کلی

ہاران پھولوں کے بنواؤں گی میں
اب نہ پہنوں گی کبھی چمپا کلی

خار کھاتے ہیں حسینانِ جہاں گُل کے آگے مات ہے حسن پری
رنگ و بو پر ان کے جاں قربان ہے
میں ہوں اس زہرہ کی دل سے مشتری

ماں

بس بس اے بچی بہت بک بک نہ کر حیرت افزا ہیں عجب باتیں تری
میری جاں ننھی سی جاں گز بھر زباں پھول کی تو نے بہت تعریف کی
دیکھ لی کیا بات ایسی پھول میں حُسنِ گل میں کونسی ہے برتری
بیوفا ہے، بیوفا گُل کی بہار ہے یہ مجموعہ محل ابتری
میری جاں ہے رنگِ گل بے اعتبار ہے یہ ساری چار دن کی چاندنی
گل نہ آئے گی نظر اس کی بہار پھول کی بو صبح تک اڑ جائے گی
تو نے اپنے آپ کو دیکھا نہیں گُل سے بہتر ہے کہیں صورت تری
پھول سے کیا کم ہیں تیرے سرخ گال پتلے ہونٹوں پر تصدق پنکھڑی
پیاری تیری منہ سے خود جھڑتے ہیں پھول ہے دہانِ تنگ سربستہ کلی
تیرے آگے آتشِ گل سرد ہے اس میں تجھ سی ہے کہاں جلوہ گری
بیوفا سے دوستی رکھتے نہیں اب نہ لینا ہاتھ میں اس کو کبھی
ہاتھ میں کانٹا نہ لگ جائے کہیں دکھ نہ پہنچائے تجھے اس کی ہنسی
پھول سے کم سمجھا ہے اپنے آپ کو قدر کی تو نے نہ اپنے حُسن کی
پھینک دے اب ہاتھ سے گل پھینک دے اے تو خود از برگ گل نازک تری

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ

بگذر ز پیرہنِ کہن بدرش کن و بکفن درآ
تو بہ غربتے دلِ نا سزا چہ فتادہ بوطن درآ
بجمالِ تن چہ نظر کنی بخیالِ جان ہمہ تن درآ
ثمنے اگر ہوسِ گلشت کہ بہ سیرِ سرو سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

بہ محبتِ بتِ شعلہ خو مبر آب چہرۂ آبرو
مپذیر قربتِ گلرخان مطلب وصال ز رخ نکو
بسپید دارانِ سپید رو مفگن نظر بسیاہ رو
پئے نافہائے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جستجو
بخیالِ حلقۂ زلفِ او گرہے خورد بختن درآ

بہ غمِ فراقِ تو ہمنفس نفسے برنج شمردہ ام
تنِ ناتوان و ضعیف را ہمہ تن بمرگ سپردہ ام
بہوائے روئے شگفتہ ات چو فسردہ غنچہ فسردہ ام
غمِ انتظارِ تو بردہ ام بہ رہِ خیالِ تو مردہ ام
قدمے بہ پرسشِ من کشا نفسے چو جان بہ بدن درآ

بگذشت عمرِ عزیزِ تو ہمہ تن بہ سستی و کاہلی
لبِ دجلہ جائے گرفتی و بلبانِ خشک چو ساحلی
بہ تصورِ بتِ سادہ رو کہ بیاد زہرِ شمایلی
بکدام آئینہ مائلی ۔ کہ ز فرصت اینہمہ غافلی
تو نگاہِ دیدۂ بسملی ۔ ثمرہ وا کن و بکفن درآ

رہِ نردبانِ غنا طلب چہ فتادۂ بہ گوِ غنا
قدمی بہ صدق و صفا بنہ بگریز از ہمہ ماسوا
بدرآ بہ نغمۂ زگوشہا ہمہ گوش شو دلِ نا سزا
ز سروشِ محفلِ کبریا ہمہ وقت میرسد این ندا
کہ بخلوتِ ادبِ وفا ز درِ برون نشدان درآ

مبرام محال از کس بکسیاں، مبر احتیاج بہ پیش کس
تو ہمائی اوج سعادتی مفگن نظر بہ پر مگس

نفسے گزار بخوشدلی بگذر ز کشمکش نفس
بدر آئے بیدل ازیں قفس اگر آں طرف کشدت ہوس

تو بہ غربت آں ہمہ خوش نہ کہ نگوئمت بوطن در آ

بت ہم برہمن ہم

کریں کس کی محبت میں عبث فریاد و شیون ہم
پھریں آوارہ ہو کر کس کی خاطر کوئی و برزن ہم

ادب سے سامنے کس کے جھکائیں اپنی گردن ہم
کریں ہم کس کی پوجا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم

صنم ہم دیر ہم بت خانہ ہم بت ہم برہمن ہم

سوا اپنے نہیں ہم چشم کوئی اپنا بیگانہ
خدا کی شان اب تو جام جم ہے چشم مستانہ

جدھر دیکھو نظر آتا ہے ہر سو روئے جانانہ
در و دیوار ہے منظر دل میں اپنے آئینہ خانہ

کیا کرتے ہیں گھر بیٹھے ہوئے آپ اپنا درشن ہم

نہ فکر دین و دنیا ہے نہ کچھ اعمال سے مطلب
غرض کوئی گزشتہ سے نہ استقبال سے مطلب

نہ حجت سے ہے دلچسپی نہ استدلال سے مطلب
نہ قیل و قال سے مطلب نہ شغل اشغال سے مطلب

مراقب اپنے رہتے ہیں جھکا کر اپنی گردن ہم

کسی کے عشق میں سنتے ہیں طعنے دوست دشمن کے
گریباں چاک ٹکڑے آستیں پرزے ہیں دامن کے

گرے ہیں اشک آسا بیٹھے ہیں نقش قدم بن کے
کب اٹھتے ہیں اٹھائے سے کسی شیخ و برہمن کے

در دلبر پہ اپنے مار کر بیٹھے ہیں آسن ہم

جنہیں ڈھونڈا کیا دیر و حرم میں دلنشیں تھے وہ
سمجھتے تھے جنہیں ہم دور امجد قریں تھے وہ

جہاں کی خاک چھانی عشق میں جنکے یہیں تھے وہ ہوا اے قیس معلوم ایک مدت میں ہمیں تھے وہ
جپا کرتے ہیں جنکے نام کی دن رات سمرن ہم

دیوانہ سازی خویش را

ہیں تجسس میں تری چاروں طرف دوڑا گیا مسجد اور مندر میں سو سو مرتبہ آیا گیا
مسئلہ توحید کا آخر سمجھ میں آگیا تیرے اخفا پر بھی میں اسرار مخفی پا گیا

برجمال خویشتن دیوانہ سازی خویش را
شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

ہے وہی امر اور وہی مامور اور آمر وہی ہے وہی سحر اور وہی مسحور اور ساحر وہی
اول و آخر وہی ہے باطن و ظاہر وہی رُوپ سو بدلے تو کیا صورت تو ہے آخر وہی

برجمال خویشتن دیوانہ سازی خویش را
شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

نور قندیل حرم۔ شمع کلیسا ایک ہے بت پرستی حق پرستی سب کا منشا ایک ہے
موج و گرداب و حباب آب و دریا ایک ہے لاکھ شکلیں ہوں مگر سب کا ہیولا ایک ہے

برجمال خویشتن دیوانہ سازی خویش را
شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

بلبل و گل گلشن و باد صبا کچھ بھی نہیں اختر و شمس و قمر ارض و سما کچھ بھی نہیں
ہر طرف تیرے کرشموں کے سوا کچھ بھی نہیں حسن لیلیٰ عشق مجنوں اے خدا کچھ بھی نہیں

برجمال خویشتن دیوانہ سازی خویش را

شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

مست ذوق نغمۂ توحید کردی خلق را — بادل و جاں سامعیں برطرز الحانت فدا

آفریں صد آفریں و مرحبا صد مرحبا — مطلعِ تابان انور باز برخواں امجدا!

بر جمال خویشتن دیوانہ سازی خویش را

شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

توپی کہے سو کون

پپیہے او پپیہے! تو یہ کیوں آنسو بہاتا ہے — زباں پر تیری پی پی کس لئے رہ رہ کے آتا ہے

صدائے درد و غم کیوں دردمندوں کو سناتا ہے — جو خود ہی جل رہا ہو او کیوں اسکو جلاتا ہے

کاٹوں تیری چونچ پپیہے ڈاروں وا پر نون

میں پی کی اور پی مورا توپی کہے سو کون

شمیم زلف عنبر بیز پھیلاتا ہے کیوں ظالم — تجھے افشائے راز دوستاں بھاتا ہے کیوں ظالم

مرے آگے ترانہ عشق کا گاتا ہے کیوں ظالم — کسی کا نام تو لے لے کے چلاتا ہے کیوں ظالم

کاٹوں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پر نون

میں پی کی اور پی مورا توپی کہے سو کون

جو بے آرام ہے اور اس کو بے آرام کرتا ہے — رموز خاص عشق و عاشقی کیوں عام کرتا ہے

سر بازار نام یار کیوں بدنام کرتا ہے — کسی کا راز کیوں کمبخت طشت از بام کرتا ہے

کاٹوں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پر نون

میں پی کی اور پی مورا توپی کہے سو کون

تجھے جز آہ و نالہ دوسرا کوئی نہ کام آیا — خدا کو مان ظالم اب تو چپ ہو وقت شام آیا
تری آواز کیا آئی اجل کا اک پیام آیا — خبردار اب اگر تیری زبان پر پی کا نام آیا

کاٹوں تیری چونچ پیچھے ڈاروں واپر نون
ہیں پی کی اور پی مورا تو پی کہے سو کون

نہ کر اب امجد خستہ کو ظالم چیخ کر مضطر — برنگ بوئے گل نادان جامے سے نہو باہر
اری ننھی سی چڑیا جان ننھی سی زبان گز بھر — چڑھا دیگا کوئی منصور کے مانند سولی پر

کاٹوں تیری چونچ پیچھے ڈاروں واپر نون
ہیں پی کی اور پی مورا تو پی کہے سو کون

تضمین بر غزل حافظ

نثار عارض گلرنگ تو ہزار انند — شہید تیغ نگاہ تو گلعذار انند
اسیر حلقہ زلف تو رستگار انند — غلام نرگس مست تو تاجدار انند

خراب بادہ لعل تو ہوشیار انند

چھپایا لاکھ مگر چھپ سکا نہ عشق کا راز — تمام حالت دل تا رہی گئے دمساز
تری خطا نہ مرا جرم اے بت طناز — ترا صبا و مرا آب دیدہ شب غماز

وگرنہ عاشق و معشوق راز دار انند

تڑپتی ہے تری فرقت میں خلق شام و سحر — کوئی خزیں کوئی بیتاب کوئی خاک بسر
تجھے نہیں ہے مگر اپنے عاشقوں کی خبر — بزیر زلف دوتا چوں گذر کنی بنگر

کہ از یمین و یسارت چہ بے قرارانند

پھڑک رہے ہیں اسیران کاکل مشکیں — نکلنے کو ہے تن مضمحل سے جان حزیں
جو میری بات کا ظالم تجھے یقیں نہیں — گزار کن چو صبا بر بنفشہ زار و ببیں

کہ از تطاول زلفت چو سوگوارانند

یہ کیا کہا؟ کہ میں ہوں آج صاحب ثروت — نہیں ہے کوئی زمانہ میں مجھسا باعزت
تجھے نصیب کہاں وصل یار کی دولت — رقیب درگزر و بیش ازیں مکن نخوت

کہ ساکنانِ درِ دوست خاکسارانند

ہے ہم سے نور فزا شمع مغفرت پر تو — سیاہ کاروں سے ہے آفتاب عفو میں ضو
شراب خواروں سے کوثر کو ہے لگی ہوئی لو — نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو

کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

تباہ ہیں تیری فرقت میں سیکڑوں بیکس — شکستہ حال پریشاں خیال تنگ نفس
جہاں میں کون ہے؟ جسکو نہیں ہے تیری ہوس — نہ من برآں گل عارض غزل سرایم و بس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند

ہے چاک دل کی طرح زندگی کا پیراہن — مثال نقش قدم آہ پائمال ہے تن
وطن ہے دور۔ ہیں ہر سمت راہ میں رہزن — تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من

پیادہ میروم و ہمرہاں سوارانند

بحق حضرت صدیقؓ پاک صدق سخن — ادھر بھی اک نظر لطف اے رسول زمن
دل حزیں کو بھی کر شاد کہہ کے لاتحزن٭ — تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من

٭ تلمیح الی الآیۃ - اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا ہ

پیادہ میروم و ہمرہاں سوارانند

اگدائی درمیخانہ تاتوانی کن | بہ بزم پیر مغاں عیش جاودانی کن
چہ گویمت بہ جوانی چنانکہ دانی کن | بروبمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن

مرو بصومعہ کانجا سیاہ کارانند

شفائے عاشق بمیار زینہار مباد | اسیر دام سیاہِ تو رستگار مباد
خراب بادہ لعل تو ہوشیار مباد | خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد

کہ بستگانِ کمند تو رستگارانند

ترے خیال میں مرجائے اشجانہ ناشاد | الٰہی یوں ہی رہے خاک عاشقاں برباد
دل حزیں نہ ہو غم سے ترے کبھی آزاد | خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد

کہ بستگانِ کمند تو رستگارانند

عاشق کا جنازہ

اے بادشہ خوباں! داد از غم تنہائی | بگذشت غم ہجراں از حد شکیبائی
جاں بے تو بجاں آمد وقتست کہ باز آئی | برگشتہ ناز اے جاں! چوں رحم نفرمائی

کن بر سر تابوتم یک جلوہ بہ رعنائی

اے در لب لعل تو اعجاز مسیحائی

برسوں تری فرقت میں کی بادیہ پیمائی | ہر جا تجھے ڈھونڈا ہم نے بت ہرجائی
افسوس تری صورت اک دن نہ نظر آئی | رخصت ہوا دنیا سے آخر ترا شیدائی

کن بر سر تابوتم یک جلوہ بہ رعنائی

اے در لب لعل تو اعجاز مسیحائی

بیمار محبت کی اک روز نہ یاد آئی | اک دن بھی عیادت کو تکلیف نہ فرمائی
ناز بت کبھی ظالم صورت ہی نہ دکھلائی | آ۔ اب تو کرم فرما۔ او شاہد ہرجائی

کن بر سر تابو تم یک جلوہ برعنائی
اے در لب لعل تو اعجاز مسیحائی

آ۔ اے بت سنگیں دل آ فاتحہ پڑھتا جا | اعجاز لب نازک بیجان کو دکھلا جا
پامال محبت کو پھر ناز سے ٹھکرا جا | پھر پیکر بیجاں میں آجائیگی جان آجا

کن بر سر تابو تم یک جلوہ برعنائی
اے در لب لعل تو اعجاز مسیحائی

اتنا بھی نہ عاشق کو نظروں سے گرا ظالم | دو پھول چڑھا نیسے تیوری نہ چڑھا ظالم
بیمار غم ہجراں دنیا سے چلا ظالم | امجد کے جنازے پر للہ آئے ظالم

کن بر سر تابو تم یک جلوہ برعنائی
اے در لب لعل تو اعجاز مسیحائی

تضمین بر غزل حافظ

ہوا ہے مفلسی میں عشق کچھ چلتا نہیں چارا | بجز زر موم ہو کیوں کر دل معشوق ہے خارا
کروں کچھ نذر اپنے پاس سے اتنا نہیں یارا | بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را

لڑکپن دیکھکر تیرا کہا کرتے تھے اکثر ہم | کہ ہوگا ایک دن اس حسن سے زیر و زبر عالم

گریباں چاک ہوں گے یا کدامن ثانی مریم
من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

خدارا فلسفی صاحب بیہ مہمل گفتگو چھوڑ دو
زمین و آسماں کی فکر سے کیا فائدہ ہمکو
چلو میخانہ جائیں اور چڑھائیں جام مے اک دو
حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

سہے جور و ستم ہر دم کبھی غصہ کبھی جھڑکی
سنیں گرچہ ہزار دل گالیاں اور بد زباں تیری
خدا رکھے میری بیغیرتی کو غم نہیں کچھ بھی
بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

نرالا ہی جہاں سے تیرا اندازِ بیاں حافظ
زمین شعر کو تو نے بنایا آسماں حافظ
معانی کا سمندر ہے تری طبع رواں حافظ
غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخواں حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

بہت سوچا

بہت سوچا سمجھ میں کچھ نہ آیا
مجھے کس نے بنایا؟ کیوں بنایا؟
عدم میں کس مزے سے سو رہا تھا
مجھے کس نے جگایا؟ کیوں جگایا؟
بہت دور ایک کونے میں پڑا تھا
یہاں کس نے بلایا؟ کیوں بلایا؟
پھر آخر اس بھری محفل سے امجد
مجھے کس نے اٹھایا؟ کیوں اٹھایا؟
اس آنے جانے کا کیا ماحصل ہے
بہت سوچا سمجھ میں کچھ نہ آیا؟

لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ

برباد نہ کر بیکس کا چمن بے دردِ خزاں سے کون کہے
تاراج نہ کر میرا خرمن اُس برقِ تپاں سے کون کہے

مجھ خستہ جگر کی جان نہ لے یہ کون اجل کو سمجھائے
کچھ دیر ٹھہر جا اے دریا دریائے رواں سے کون کہے

ہر چند ہماری حالت پر رحم آتا ہے ہر اک کو لیکن
کون آپ کو آفت میں ڈالے اس آفتِ جاں سے کون کہے

سینے میں بہت ہیں غم پنہاں اور دل میں ہزاروں ہیں ارماں
اُس قہرِ مجسم کے آگے حال اپنا زباں سے کون کہے

قاصد کے بیاں کا اے امجد کیوں کر ہو اثر اُن کے دل پر
جس درد سے تم خود کہتے ہو، اُس طرزِ بیاں سے کون کہے

جلوے کا گیت

ڈالو سکھی ہار بنے کے گلے

پیارا بنا مرا دھوم گجر سے — آیا مرے گھر اپنے گھر سے
ساون بھادوں کی امڈ آئیں گھٹائیں — رم جھم رم جھم بادل برسے

ڈالو سکھی ہار بنے کے گلے

دھوم مچاؤ شادی رچاؤ — خود کو گنوا کر اُس کو پاؤ

اپنے شگفتہ دل کے چمن سے چُن چُن کلیاں ہار بناؤ
ڈالو سکھی ہار بنے کے گلے

رستے میں آنکھوں کا فرش بچھاؤ گنگا جل سے پاؤں دھلاؤ
آج سنادو اپنا سندیسہ آؤ سہیلی مل کر گاؤ،
ڈالو سکھی ہار بنے کے گلے

دیکھ سمجھ کر دیکھو بھالو مہندی لگا کر رنگ جما لو
دل کی تمنا پوری کر لو لیکن پہلے دل کو سنبھالو
ڈالو سکھی ہار بنے کے گلے

امجدؔ پیا پر تن من وارو ہو کے تصدق صدقے اتارو
بین کو دیکر تو کو لے لو جیت ہو اپنی جتنا بھی ہارو
ڈالو سکھی ہار بنے کے گلے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

ماہِ مدینہ، شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
حق کی توحید اُس کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
واللیل اسکی زلف پیچاں والشمس اسکا روئے درخشاں
فخر آدم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم
سخت دلوں کو موڑنے والا ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا
خستہ جانوں کے زخم کا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

رازِ حقیقت سب سمجھایا۔ غیب الغیب شہود میں آیا
اُمّی ہیں یہ علم کا عالم صلی اللہ علیہ وسلم

آج ہے دن میلادِ نبی کا آج یہ دن ہے کیسی خوشی کا
آؤ کہیں سب ملکر باہم صلی اللہ علیہ وسلم

مظہرِ ذاتِ باری تعالیٰ۔ سب سے اولیٰ سب سے اعلیٰ
نورِ مجرد۔ ہادئ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

حق کا حق اگر ادا کرنا ہو۔ رب کو راضی اگر رکھنا ہو
وِرد رکھو تم امجد ہر دم۔ صلی اللہ علیہ وسلم

تضمین بر غزل حضرت جامی رح

شب معراج حاصل بود۔ شب جائیکہ من بودم | تپاں ہر صاحبِ دل بود۔ شب جائیکہ من بودم
کہ ساقی وچہ محفل بود۔ شب جائیکہ من بودم | نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم

بہر سو رقص بسمل بود۔ شب جائیکہ من بودم

تصدق تھے رخِ انور پہ اُس کے چاند اور تارے | کمالِ حسن سے حیرت میں تھے ڈوبے ہو سارے
خدا کی شان تھی وحدت میں تھے کثرت کے نظارے | پری پیکر۔ نگار سرو قدے۔ لالہ رخسارے

سراپا آفتِ دل بود۔ شب جائیکہ من بودم

کوئی لرزاں، کوئی ترساں، کوئی گریاں کوئی خنداں | کوئی بسمل، کوئی حیراں، کوئی صدقے کوئی قرباں
خوشی ایسی تھی جسمیں غم کے بھی اسباب تھے پنہاں | رقیباں گوش برآواز۔ او درناز من ترساں

سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائیکہ من بودم

کہاں بندہ کہاں مع لا۔ کہاں آمجد کہاں خسرو — بیاں کیا کر سکے کیفیت قلبی زباں خسرو

کہے کیا اس حریم پاک کا نام و نشاں خسرو — خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو

محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

غزل

دنیا کی فضا بس ایک نظر میں زیر و زبر ہو جاتی ہے

وہ دیکھتے ہیں اِن نظروں سے نظروں کو نظر ہو جاتی ہے

وہ دنیا سے کھو جاتا ہے اور کیا سے کیا ہو جاتا ہے

اُس مست نظر کی جس پر بھی اک بار نظر ہو جاتی ہے

جب آتی ہی رات وہ آتے ہیں۔ ساتھ اپنے اُجالا لاتے ہیں

چھا جاتا ہے اندھیرا آنکھوں میں جس وقت سحر ہو جاتی ہے

تدبیر کوئی چلتی ہی نہیں۔ تقدیر کبھی ٹلتی ہی نہیں

ہر چند بدی سے بچتا ہوں۔ اس پر بھی مگر ہو جاتی ہے

ہر وقت گذرتا رہتا ہے۔ یہ دریا بہتا رہتا ہے

ہو عید کا دن یا شامِ اَلَم۔ ہر حال بسر ہو جاتی ہے

موجود جو شئے ہو جاتی ہے۔ معدوم نہیں پھر ہو سکتی

دنیائے وجود میں اے امجد تغییر صُور ہو جاتی ہے

مولا کھولو نا کواڑ

یہ نظم کعبے شریف کے دروازے پر اسوقت پڑھی گئی تھی جب کہ کعبہ شریف کا دروازہ بند تھا

مولا کھولو نا کواڑ - میں ہوں ڈیوڑھی پر کھڑی
اللہ دیکھو نامراد - میں ہوں چوکھٹ پر پڑی

بدلی آندھی کڑکا بجلی، بارش موسلا دھار
چاروں طرف سے مجھ دکھیا پر ہے بپتا کی مار - مولا کھولو نا کواڑ

رنج اور غم میں کوئی نہیں ہے میرا اب غمخوار
تیرے سوا اب کس کو پکاروں دو جگ کے کرتار - مولا کھولو نا کواڑ

اپنا پرایا کوئی نہیں ہے سب نے چھوڑا ساتھ
اپنی دیا سے جنم جلی کو پاس بلا لو ناتھ - مولا کھولو نا کواڑ

کھول کے پر اس طائر جاں کو کر دو اب آزاد
قید حیات میں رکھو گے کب تک امجد کو ناشاد - مولا کھولو نا کواڑ

نامِ مولا علی پر میں مر جاؤنگی

نام مولا علی پر میں مر جاؤں گی - ساری دنیا میں نام اپنا کر جاؤنگی
مولا علی کے قدموں پر میں ہو جاؤں قربان - ہے یہی میرے دل کی تمنا اور یہی ایمان
اُن کے دَر کے سوا میں کدھر جاؤنگی
نام مولا علی پر میں مر جاؤں گی

میں ہوں پاپن میں ہوں بھکارن کچھ نہیں میرے پاس ۔۔۔ لیکر آؤں گی تیرے در پر تیرے کرم کی آس
علی ہی میری دین اور دنیا علی میرا ایمان ۔۔۔ علی ہی میری راحت جاں ہے علی میرا ایمان
یا علی کہتے کہتے گذر جاؤں گی
نام مولا علی پر میں مرجاؤں گی

باب نجف پر ہو جائیگی ہر مشکل آسان ۔۔۔ مولا علی کے نقش قدم پر دونگی اپنی جان
کوئی کتنا ہی روکے ۔ مگر جاؤں گی
نام مولا علی پر میں مرجاؤں گی

یا غوث الاعظم شیئاً للّٰہ

مُردوں کو زندہ کرنے والے ۔۔۔ مُردہ دلوں کو دم میں جلائے
اب تو پڑے ہیں جان کے لالے ۔۔۔ اپنے کرم سے ہم کو بچائے
یا غوث الاعظم شیئاً لِلّٰہِ

تم ہو حبیب شافع محشر ۔۔۔ تم ہو صفاتِ حق کا مظہر
نام تمہارا سب کی زباں پر ۔۔۔ کیوں نہ پکاریں ہم سب ملکر
یا غوث الاعظم شیئاً لِلّٰہ

نام سے محی کے جیتے ہیں ہم ۔۔۔ ہے یہی نام امجد کا ہمدم
شاہِ غریباں ارحم ارحم ۔۔۔ یا غوث الاعظم یا غوث الاعظم
یا غوث الاعظم شیئاً لِلّٰہ

کوئی نہیں دنیا میں ہمارا ۔۔۔ ٹوٹے دل کا تم ہو سہارا

وردِ زباں ہے نام تمہارا نام تمہارا جان سے پیارا

یَاغَوثُ الاَعظَم شَیئاً لِلّٰہِ

اُدعُونِی اَستَجِب لَکُم

صدائے درویش

دے اے مرے مولا دے دے اے مرے داتا دے

کچھ صدقہ طٰہٰ دے کچھ صدقہ زہرا دے کچھ اُن کا تصدق دے کچھ اپنا اتارا دے

تقدیر ہماری پھر اک مرتبہ چمکا دے کھو بیٹھے ہیں ہم جتنا پھر اس سے بھی دونا دے

دے اے مرے مولا دے دے اے مرے داتا دے

اس رنج کی دنیا میں جامِ طرب افزا دے اس میکدۂ لا میں اک ساغرِ الّا دے

اے فضل و کرم والے! محتاج کو دلوا دے اُمید کے بندے کو محروم نہ لوٹا دے

دے اے مرے مولا دے دے اے مرے داتا دے

اس اپنے بھکاری پر اے شاہ کرم فرما آیا ہے ترے در پر گمراہ کرم فرما

مایوسی کی حالت میں ناگاہ کرم فرما اللہ کرم فرما للہ کرم فرما

دے اے مرے داتا دے دے اے مرے مولا دے

دوری سے تری تھک کر جی اپنا نہ ہاروں گا افلاک کی چوٹی سے تاروں کو اُتاروں گا

بگڑی ہوئی قسمت کو رو رو کے سنواروں گا سو مرتبہ چیخوں گا سو بار پکاروں گا

دے اے مرے مولا دے دے اے مرے داتا دے

اس جسم کے جوہر کو عریانی سے زینت دے دستِ دلِ سائل میں دامانِ محبت دے

کچھ درد کی لذت دے کچھ غم کی مسرت دے — ایمان کی عزت دے توحید کی دولت دے

دے اے مرے مولا دے دے اے مرے داتا دے

کب تک تری صورت کو یہ دیدۂ تر ترسے — دیکھیں مری کھیتی میں کب ابرِ کرم برسے

امید بہت کچھ ہے امجدؔ کو ترے در سے — دامانِ ہوس بھر دے مقصود کے گوہر سے

دے اے مرے داتا دے دے اے مرے مولا دے

جوابِ مولا تعالیٰ

اے سائل آ آ پھر مانگ پھر مانگ — جو چاہے لے جا پھر مانگ پھر مانگ

ہر دم ہمارے فضل و کرم کا — جاری ہے دریا پھر مانگ پھر مانگ

خوش ہوتے ہیں ہم تیری صدا سے — ہاں پھر صدا دے دل کش ادا سے

کیوں روٹھتا ہے اپنے خدا سے — آ آ آ آ پھر مانگ پھر مانگ

ہم اپنی شانِ رحمت دکھائیں — سب آرزوئیں تیری بر آئیں

تو مانگتا جا ہم دیتے جائیں — ہاں چپ نہ ہو جا پھر مانگ پھر مانگ

وجہ سکوں ہے یہ بیقراری — زور اور زر سے بہتر ہے زاری

چھائی ہے تجھ پر رحمت ہماری — لے جا ہے جتنا پھر مانگ پھر مانگ

تو ہے بھکاری اور ہم ہیں داتا — لے بھر لے امجدؔ کاسہ ہوس کا

ہم بھی تو دیکھیں ہے ظرف کتنا

لے ہاتھ پھیلا پھر مانگ پھر مانگ

دیہاتی لڑکی کا گیت

لے لو وہ دن ڈھلا جا رہا ہے — وقتِ شام اب قریب آ رہا ہے
ہے فضا شام کی کیا سہانی — یا شبِ وصل کی ہے نشانی
نور و ظلمت بہم ہو رہے ہیں — راستے والے کم ہو رہے ہیں
کیا خبر آسماں کیا دکھائے — کیا خبر سامنے کون آئے
غیر مردوں کا پھیرا نہ ہو جائے — شب سے پہلے اندھیرا نہ ہو جائے

(۲)

موج دریا کو یہ کس کی دھن ہے — راگ پانی کا کیا مست کن ہے
شام کلیاں ہوا گا رہی ہے — بانسری کی صدا آ رہی ہے

(۳)

دیکھو کشتی میں بیٹھا ہے کوئی — یہ تو بے جانا بوجھا ہے کوئی
بانسری اس کے منہ سے لگی ہے — زیر و بم کی ہوا کیا بندھی ہے
بانسری کیا بجاتا ہے آ ہا — راگ کیسا سناتا ہے، آ ہا
سن کے ہر ایک سُن ہو رہا ہے — دھن میں ہوش و خرد کھو رہا ہے
وجد میں عقل کس کی بجا ہے — میں اگر باؤلی ہوں تو کیا ہے
کان نغمے سے پُر ہو رہے ہیں — بلبلے پھوٹ کر رو رہے ہیں
ہے کوئی شعبدہ گر کہ ساحر — میں بھی دیکھوں کہ ہے کون آخر
غیر محرم ہے کیوں کر ملوں میں — آنکھیں تلووں سے کیوں کر ملوں میں

آرزو دل کی کیوں کر نکالوں | اس کو کیوں کر گلے سے لگالوں

(۴۲)

ہائیں میں خواب میں تو نہیں ہوں | غرق، گرداب میں تو نہیں ہوں
یہ کوئی اجنبی تو نہیں ہے | یہ بنا آدمی تو نہیں ہے
جسکی جویا تھی میں وہ یہی ہے | میرے گلشن کا سرو سہی ہے
اُس طرف جاں مری نیم جاں ہے | یہ مری جستجو میں یہاں ہے
دوست کو غیر سمجھی ہوئی تھی | کعبے کو دیر سمجھی ہوئی تھی

یہ تو ہے میرا پیارا کنھیا
میری آنکھوں کا تارا کنھیا

تضمین

زدست نا سزایاں تا کجا رنج و محن بینی | ببر ز اہل وطن تا چند خواری در وطن بینی
ہمہ بار الم بر دل ز یار خویشتن بینی | دلا تا کے شکست از دست ہر پیماں شکن بینی

برآ از سینہ کاینہا جملہ زیں بیت الحزن بینی

بیا بگذر ز بند مستی و بشکن جام و پیمانہ | بشمع ایں سیہ خانہ مدہ دل ہمچو پروانہ
ترقی گر ہوس داری قدم بردار مردانہ | برو بیروں ازیں خانہ ببر از خویش و بیگانہ

کزیں دیوان دیوانہ گزند جان و تن بینی

مشو خار کف پایم نہادم سر چو در میداں | ازیں افسانہ و افسوں مزن راہ من اے ناداں
وطن سرمایۂ سوداست و غربت موجب نقصاں | سفر یک قطعہ از نیراں بود حب وطن ز ایماں

ولے صدرہ سفر خوشتر چو خواری در وطن بینی

مجو تعمیر قصر آرزو ہرگز بویرانگہ
مدار امید جاں بردن درین دریائے طوفانگہ

مخواہ از سر بسر موئے چو داری سر چو لانگہ
پرت بشکستہ بالت بستہ حالت حیتنہ پس انگہ

ہوس داری کہ از کنج قفس طرف چمن بینی

ہماں مانند مرغ خانہ پامال کس و ناکس
مکن از تنگ چشمی بردم آب و لب ناں بس

کمند سعی افگندہ بر افلاک ترقی رس
اگر داری ہوس برکش نفس برکن قفس تا پس

بساط باغ و داغ و جلوۂ سرو سمن بینی

دُنیا اور انسان

فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِي الْاَبْصَار

اک مُسافر کسی جنگل سے چلا جاتا تھا
ناگہاں راہ میں اک شیر ژیاں کو دیکھا

چڑھ گیا ایک شجر پر وہیں وہ خوف زدا
شیر نے دیکھا کہ ہاتوں سے شکار آگے گیا

ہونٹ چابے کبھی غصہ سے وھڑ وکے مارے

رنج و غم سے نظر آنے لگے دن کو تارے

اور تو سوجھی نہ کچھ دل میں نہ اُس نے ٹھانی
کہ کسی روز تو اُترے گا یہ خصم جانی

خون اُسکا وہیں کر دونگا بہا کر پانی
کب تک آخر ملک الموۃ سے آنا کانی

یہ کہا اور وہیں زیر شجر بیٹھ گیا

خوف کے مارے مسافر کا جگر بیٹھ گیا

ایک ڈالی یہ سہارا لیا بیچارے نے
خوف و دہشت سے جگر ہو گیا ٹکڑے ٹکڑے

جب نہایت ہی کیا بھوک نے مجبور اُسے　　پھل تو پھل شاخ پہ ظالم نے نہ چھوڑے پتے
ہو گئی شاخ وہ جب برگ و ثمر سے خالی
چاہا کمبخت نے تاکے کوئی اونچی ڈالی

دیکھا پھن کھولے ہوئے ناگ ہی کالا پیر　　اڑ گئے ہوش وہیں تخت سلیماں بنکر
تھی نگہ شیر پہ گاہے کبھی افعی پہ نظر　　سچ ہے آتی ہے مصیبت پہ مصیبت اکثر
یک من و بر سر قتل اندر پر زادے چند
وائے بر صید کہ یابا شد و صیادے چند

جانِ زار اسکی کشاکش میں پھنسی تھی ہیہات　　پڑ گئی کیسی الٰہی نہ کوئی سنگ نہ سات
نہ کہیں بھاگنے کو رہ نہ کہیں پائے ثبات　　تھی حباب لب دریا کی طرح اسکی حیات
سانپ کی شکل کا رہ رہ کے خیال آتا تھا
خوف سے شیر ژیاں کے کبھی ڈر جاتا تھا

اور توڑا فلک پیر نے بد اُس پہ ستم　　کہ وہ جس شاخ پہ بیٹھا تھا بچشم پُر نم
اسکو وہ چوہے کترنے لگے ملکر بہم　　کہیں کٹ جائے یہ ڈالی تو گرے بس اکدم
سانپ ادھر ناگ میں ہی شیر اُدھر منہ کھولے
اور کترتے ہیں الگ شاخ نشیمن چوہے

پھر اُسی شاخ پہ اک شہد کا چھتہ پایا　　شہد کو دیکھ کے بیچارے کا دل للچایا
مخزن رزق فلاکت میں اُسے ہاتھ آیا　　جسقدر رکھا سکا لے کے مزے سے کھایا
اُس مسافر نے عجب نوش کی لذت پائی
نیش کا غم نہ رہا دل پہ جو غفلت چھائی

نہ رہا شیر سے کچھ خوف نہ کچھ سانپ کا ڈر	چوہے تو ڈالی کترتے ہیں نہیں اس کو خبر
لذتِ شہد میں مصروف رہا شام و سحر	دیکھیں کس روز گرے ٹوٹ کے ڈالی بے ثمر

پھنس گیا شہد میں کمبخت مگس کے مانند
بن گئی شاخ نشیمن کی قفس کے مانند

اسی حالت میں اُسے ایک زمانہ گذرا	ناگہاں سانپ اُترتا ہوا نزدیک آیا
ڈالی کٹنے کو ہوئی شیر نے منہ پھیلایا	حیف بیچارے پہ کیا پردۂ غفلت چھایا

تب بھی ان باتوں کا کچھ دھیان نہ آیا اُس کو
نفس کے دیو لعین کا ہوا سایہ اُس کو

ڈس لیا کالے نے آخر اُسے ٹوٹی ڈالی	گر پڑا نیچے تو بس شیر کے منہ میں جا لی
شہد سے دستِ ہوس رہ گئے دونوں خالی	شیر نے ایسا چبایا کہ ہوئی پامالی

اُس کو دانتوں سے کیا پیس کے بالکل چورا
اُس کے جو دل میں تھا ارمان ہوا سب پورا

اب سنو غور سے اے مال پہ مرنے والو	پاک ناپاک سے اس پیٹ کو بھرنے والو
ساحلِ عمرِ دو روزہ پہ اترنے والو	اپنے اعمال کی شامت سے نہ ڈرنے والو

آپ بیتی ہے یہ سب غیر کا افسانہ نہیں
قصۂ حمزہ نہیں حالت بیگانہ نہیں

وہ مسافر نظر آیا جو تمہیں صحرا میں	سمجھو وہ تم ہی ہو جو آئے ہو اس دنیا میں
شیر پھر دیکھا اچانک جو اسی اثنا میں	نقشۂ خوف کھنچا مرد مک بینا میں

چڑھ گیا شاخ پہ جس ڈر سے مسافر مضطر

اور یہ منھ کھولے ہوئے بیٹھو رہا زیرِ شجر

آپ کچھ سمجھے بھی کیا چیز ہے وہ شیرِ ژیاں　　قبر سمجھو کہ جو ہے منتظرِ ہر انساں
شیر سا قبر بھی ہے کھولے ہوئے اپنا دہاں　　کہ کسی روز تو آئیگا یہ جائیگا کہاں

اس کا سب تازہ و تبختر نہ بھلادوں تو سہی
ہڈیاں پیس کے چورا نہ بنادوں تو سہی

عمر سمجھو اُسے جس شاخ پہ اُس نے جالی　　ملک الموت ہے وہ سانپ جناب عالی
رات دن چوہے ہیں جو کاٹ رہے ہیں ڈالی　　شہد کا چھتہ ہے دنیا سبب پامالی

وائے بر شامتِ اعمال مگس کے مانند
طمعِ شہد میں ہم ہوگئے بالکل پابند

نہ لحد کا کبھی بھولے سے خیال آتا ہے　　نفسِ بدکار نہ اعمال سے شرماتا ہے
حلق تک صبح و مسا لقمۂ تر کھاتا ہے　　چھوڑ کر دین کو دنیا کی طرف جاتا ہے

پھنس کے دنیا میں زر و مال کا ہو رہتا ہے
طلبِ جاہ میں کیا کیا غم و ہم سہتا ہے

طمعِ زر ہوسِ مال کہاں تک آمجلہ　　تا کجا حرص و ہوا کینہ و ریا بغض و حسد
یاد میں تیری ہے منہ کھولے ہوئے قعرِ لحد　　جان لینے میں تری ہے ملک الموت کو کد

رنجِ بیہودہ مبر بند علایق بگسل
ہمچو ہاروت مماں در تہِ چاہِ بابل

میری قمری

ہم نے قمری عجیب پالی ہے | مظہر نغمۂ بلالی ہے
کیا ہی نازوں سے اسکو پالا ہے | قفس نقرئی میں ڈالا ہے
قمریاں یوں تو دیکھی بھالی ہیں | اسکی باتیں مگر نرالی ہیں
گیت توحید کا سناتی ہے | راہ حق کی طرف بلاتی ہے
پیاری پیاری وہ نور کی گردن | جس پہ قربان حور کی گردن
لال لال اسکی نرگس گلفام | یا بھرا ہی شراب سرخ کا جام
اُس پہ طرہ ہے سُرخی منقار | گل سمجھکر نہ کرلے بلبل پیار
رنگ منقار ارغواں تا سر | یا دھڑی پان کی ہی ہونٹوں پر
یا کوئی ناخن حنائی ہے | ہائے کیا سرخ چونچ پائی ہے
پاؤں بھی سرخ رنگ بستہ ہے | دل حنا کا اسی سے پستا ہے
زیب و زینت سے اسکی آن بن ہے | سادگی میں ہزار جوبن ہے
جسم نقرہ صفت۔ تمام سپید | صاف براق رنگ قابل دید
ہے صدا اس کی مونس دل زار | جس پہ قرباں ہزار صوت ہزار

ہے غضب اس کی مست کن آواز
گویا باب سماع ہو گیا باز

زلف شب تا کمر جب آتی ہے | تیرگی آسماں پہ چھاتی ہے
خانۂ چشم سے نکل کے نظر | واپس آتی ہے کانپتی تھرتھر

اک اداسی جہاں میں ہوتی ہے
خلق غفلت کی نیند سوتی ہے

میری قمری مگر نہیں سوتی
رائگاں عمر وہ نہیں کھوتی

بس ہے حق سرہ سے کام اُسے
ورد اللہ کا ہے نام اُسے

لب پہ ہر دم ترانۂ توحید
کبھی تسبیح ہے کبھی تحمید

ضرب نام خدا لگاتی ہے
دل تو ننھا سا اور یہ چھاتی ہے

شور کرتی ہے غل مچاتی ہے
چپ کبھی تھک کے بیٹھ جاتی ہے

مضطرب ہو کے پھر پکارتی ہے
چونچ کھٹ کھٹ زمیں پہ مارتی ہے

نعرۂ ہو سے دل ہلاتی ہے
کہہ کے حق سرہ جگاتی ہے

نہیں کھلتیں مگر مری آنکھیں
نیند میں ہیں بھری ہوئی آنکھیں

وہ پکارے یہاں نہیں کچھ غم
گویا کھائی ہے جاگنے کی قسم

اُس کی تنبیہ کا خیال نہیں
وقت جاتا ہے کچھ ملال نہیں

پاؤں پھیلائے میں تو سوتا ہوں
عمر خود رفتگی میں کھوتا ہوں

طاعتِ حق کا کچھ خیال نہیں
ہائے اندیشۂ مآل نہیں

اوفتادم بخواب خوش بیہوش
مرغ تسبیح خواں و من خاموش

کوئلہ بھئی نہ راکھ

نہ کھلنے پائے اکدن دیدۂ عبرت نما میرے
جوانی جا چکی اب رو بہ پیری ہیں قویٰ میرے

نہ سمجھا آج تک میں کون بنا ہوں اے خدا میرے
جہاں کا ذرہ ذرہ کار آمد ہے سوا میرے

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

فنائے تیرگیٔ شب سے ہو نور سحر پیدا — فروغ صبح مٹ جائے تو ہوں انوار خور پیدا
بدل جائے اگر قطرہ کی حالت ہو گہر پیدا — ملے جب خاک میں دانہ تو ہو برگ و ثمر پیدا

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

غذا تحلیل ہو کر خون بنجاتی ہی پیکر میں — یہی خون جسم کے ہو جاتا ہی عنبر گاؤ عنبر میں
مخمر ہو کے کام آتی ہے مٹی جام و ساغر میں — شجر سوکھے تو لکڑی بن کے جل جاتا ہی مجمر میں

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئی راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

محل صد تغیر ہے ہمیشہ عالمِ فانی — کبھی پانی ہوا ہو جاتا ہی گل ہے ہوا پانی
بدلتی ہیں ہزاروں صورتیں طبع ہیولانی — مگر اپنی تباہی پر مجھے ہی سخت حیرانی

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئی راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

ہویدا ہے حباب و موج دریا کی روانی میں — سُنا ہی بال گل کر سانپ ہو جاتا ہی پانی میں
ہمیشہ نت نئی حالت ہی دورِ آسمانی میں — بگڑ کر کچھ نہ کچھ بنتی ہے ہر شئی دھر فانی میں

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئی راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

اب نہیں تو کب

اعمالِ بد پہ اپنے نظر اب نہیں تو کب
او چلنے والے فکرِ سفر اب نہیں تو کب

وقت آگیا قریب کہ ہو جائے آنکھ بند
نظارہ اُس کا نورِ نظر اب نہیں تو کب

سائل کو اپنے پاس سے پلٹا نہ بے نصیب
اے دینے والے کہدے اگر اب نہیں تو کب

بچپن گیا جوان ہوئے ذی خرد ہوئے
کوشش برائے کسب و ہنر اب نہیں تو کب

دم آگیا ہے آنکھوں میں مشتاقِ دید کا
دورانِ نظر پہ تیری نظر اب نہیں تو کب

جب ہے یقین مزرعِ عقبیٰ ہے یہ جہاں
پھر دانہ ریزی دیدۂ تر اب نہیں تو کب

امجد کی بھی سنے گا کبھی اے مرے خدا
آہوں میں اُس کے آہ اثر اب نہیں تو کب

جب نہ سہی اب سہی

یادِ خدا صبح و شام جب نہ سہی اب سہی
طاعتِ حق میں قیام جب نہ سہی اب سہی

خیر مضیٰ ما مضیٰ ذکر ہی اب اُس کا کیا
کوششِ نیل مرام جب نہ سہی اب سہی

سامنے جو آگیا کھالیا بے قیل و قال
فرقِ حلال و حرام جب نہ سہی اب سہی

عمرِ گذشتہ کا غم کیا لئے بیٹھے ہو آج
امجد عالی مقام جب نہ سہی اب سہی

مجلس سماع

کل رات تھی اک دوست کے گھر راگ کی مجلس / مدعو تھے جہاں ہم بھی باصرار و خوشامد

اک ہال میں تھا مجمع پیران کرامات / تھا وقت کا اپنے کوئی شبلی کوئی سرمد

مرشد تھے چڑھائے ہوئے جام مئے وحدت / سر جیب تفکر میں جھکائے ہوئے مرشد

تھی مسئلہ وحدتِ واجب میں کبھی بحث / ہوتی تھی کبھی منطق ابن عربی رد

کرتا تھا کوئی خالق و مخلوق میں تفریق / اصرار کسی کو تھا ہمہ اوست پہ بیحد

کہتا کوئی دونوں ہیں تغائر ہی نہ وحدت / ہے ساجد و مسجود کا مفہوم مردّد

ہوتی تھی یہی بحث کہ مطرب نے صدا دی / کاں* شاہد قدسی صفت از پردہ برآمد

وہ نغمہ خوش آہنگ وہ الحانِ جگر سوز / آواز وہ ناز آفریں - وہ طرز مجدّد

بس ہو گئے سب صورت گل گوش سراپا / تھا پیکرِ خاکی ہمہ تن روح مجرّد

مجلس میں رہی پہلے تو کچھ دیر خموشی / ناگہ متزلزل ہوئے ارکانِ مشیّد

جنبش میں تھے اقطاب ثوابت حرکت میں / منکے کی طرح ڈھل گیا تاجِ سر فرقد

کشتوں کی طرح خاک پہ گرتے تھے دھڑا دھڑ / تھی آتشِ نے شعلۂ شمشیر مہنّد

بسمل کی طرح کوئی تڑپتا تھا زمیں پر / تھا رقصِ جمل میں کوئی با طرز مجدّد

ہر گوشہ سے ہاہو کی صدا آتی تھی پیہم / تھا خوف نہ پھٹ جائے کہیں چرخ زبرجد

یہ رنگ یہ نقشا یہ سماں دیکھ کے ناگاہ / تیورا کے کھڑے پاؤں گرا میں سر مسند

آئی ہوئی رکتی نہیں روکے سے طبیعت / کیا پائے نگہ بھی کہیں ہوتا ہے مقیّد

* غزل کا مصرع ہے - آں شاہد قدسی صفت از پردہ برآمد - کاف بیانیہ الحاقی ہے - ۱۲

لو ہم بھی شہیدوں میں ملے خون لگا کر — لو مل گئی مفتاح درِ عیش مخلّد
بیتاب تھا دل ہوک سے اُٹھتی تھی جگر میں — جاں سوز تھا قوال کا ارشاد مؤکّد
دیوانہ کی صورت کبھی روتا کبھی ہنستا — سب ہو گئے عقل و خرد و ہوش ندارد
تخفیف کا گانے نے پڑھایا سبق اچھا — تھی نونِ ثقیلہ کی طرح طبع مشدّد
ناموس کی پابند طبیعت ہوئی آزاد — عزت کا رہا پاس نہ پروائے اب وجد
کہتا کبھی حق حق کبھی ہا ہا کبھی ہو ہو — پڑھتا سبق عشق بہ الفاظ مجدّد
دی ہاتف غیبی نے اسی حال میں آواز — کا بیخبر و بے ہنر۔ آسیمہ سر امجد
مخروش چو مرغ عشق ز پروانہ بیاموز* — کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

ایں مدعیاں در طلبش بیخبر انند
کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

پیٹ کا ظلم

عشرتِ دو روزہ سے احتراز — کان کے پردے کو نہیں شوق ساز
نغمۂ مطرب سے ہے دل بے نیاز — رنج ہی کیا ہے جو نہیں نے نواز

گوش تواند کہ ہمہ عمر وے
نشنود آواز دف و چنگ و نے

* عشق ز پروانہ بیاموز۔ اگرچہ کہ عشق کی عین تقطیع سے گرتی ہے۔ جیسے غلط کردم عہد جوانی بہ غفلت میں۔ لیکن صاحبانِ بصیرت سے اُمید ہے کہ لطافت معنوی کا خیال کر کے لفظی غلطی سے اعراض کرینگے ورنہ مخروش چو مرغ کی جگہ۔ غوغا مکن و عشق ز پروانہ بیاموز پڑھیں۔ امجد

سیر ہے گلزار کی ازبس مفید　　باغ کا نظارہ ہے آنکھوں کی عید
گرچہ مفرح ہے گلستاں کی دید　　پر نہیں کچھ ایسی ضرورت شدید

دیدہ شکیبد ز تماشائے باغ
بے گل و نسریں بسر آرد دماغ

سیج نہیں پھولوں کی خاطر نشیں　　ہے نہ چھپر کٹ کے لئے دل حزیں
گر نہیں بستر تو نہ ہو غم نہیں　　بس ہے ہمارے لئے فرش زمیں

ور نہ بود بالش آگندہ پر
خواب تواں کرد حجر زیر سر

شیشے میں گر آج برانڈی نہیں　　پینے کو کیا خون جگر بھی نہیں
راضی ہوں قسمت پہ میں شاکی نہیں　　خیر نہ ہو بر میں جو ساقی نہیں

گر نہ بود دلبر ہم خوابہ پیش
دست تواں کرد بہ آغوش خویش

یوں تو بلاؤں میں گرفتار ہوں　　تیغ حوادث سے دل افگار ہوں
سہنے کو ہر رنج میں تیار ہوں　　آہ مگر پیٹ سے لاچار ہوں

ایں شکم بے ہنر و پیچ پیچ
صبر ندارد کہ بسازد بہیچ

حاجت بسیار نیست

بندۂ حرص ہیجا آج خاص و عام ہے　　فکر جمع مال و زر یکبخت صبح و شام ہے

مفت بیچاری ضرورت ہر جگہ بدنام ہے — ابن آدم اپنے ہاتوں مورد الام ہے

در فضائے تنگ دنیا حاجت بسیار نیست
انچہ ما در کار داریم اکثرش در کار نیست

جسم میں اچکن تو ہی کو کوٹ سی زینت نہیں — ہے سلیم شاہی تو بوٹ اور شوز کی حاجت نہیں
خشک ٹکڑا بس ہے کھانے کو اگر نعمت نہیں — تنگدستو! تنگدل کیوں ہو اگر وسعت نہیں

در فضائے تنگ دنیا حاجت بسیار نیست
انچہ ما در کار داریم اکثرش در کار نیست

اپنے ہاتھوں آپ اے ناداں ذلیل و خوار ہے — کچھ بھی غیرت ہے تجھے احمق ذرا بھی عار ہے
جسقدر ہے وہ بھی جانِ ناتواں پر بار ہے — اے ہوس پیشہ تجھے اب اور کیا درکار ہے

در فضائے تنگ دنیا حاجت بسیار نیست
انچہ ما در کار داریم اکثرش در کار نیست

لیمپ برقی چاہیے نازوں کے پالے کیلئے — بیکسوں کو چاندنی بس ہے اُجالے کیلئے
کملی والو مر رہے ہو کیوں دوشالے کیلئے — ہے جو کچھ وہ بھی بہت ہے مرنیوالے کیلئے

در فضائے تنگ دنیا حاجت بسیار نیست
انچہ ما در کار داریم اکثرش در کار نیست

اے حریص مال و زر اے صاحب صد گونہ زور — تنگ چشمت را قناعت پُر کند یا خاک گور
تا کجا حرص و ہوائے مالک اسپ و ستور — دانہ دانہ می کنی انبار تا کے مثل مور

در فضائے تنگ دنیا حاجت بسیار نیست
انچہ ما در کار داریم اکثرش در کار نیست

استمزاج

اے خوش نشانِ دہر و اربابِ نعم
خالق نے عطا کیا تمھیں جاہ و حشم

ہے ساغر ہاتھ میں پہلو میں صنم
زیبا ہے تمھیں۔ اگر کہو تم ہر دم

مارا بجہاں خوشتر ازیں یکدم نیست
کز نیک بد اندیشہ و از کس غم نیست

مانا کہ ہے اوج پر تمھاری قسمت
حاصل ہے تمھیں چرخِ بریں پر رفعت

سوچو کہ ہے کس قدر مقامِ عبرت
عُسرت میں ہے قوم تم ہو محوِ عشرت

اے آنکہ بہ اقبال تو در عالم نیست
گیرم کہ غمت نیست غمِ ما ہم نیست

انقلاب

حاضر ہوتا ہوں کہہ رہے ہیں
ہر چند کہ ہو رہے ہیں غائب

بگڑی ہے عجب روش جہاں کی
کہتے ہیں گدا کو شاہ صاحب

خود پرستی

ہر چند اک جہاں کی نگاہوں میں پست ہو
اس پر بھی نشۂ مئے نخوت میں مست ہو

کرنا خدا پرستی کا دعوےٰ نہ مومنو!
ہندو ہیں بت پرست تو تم خود پرست ہو

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

کہتے ہیں کسی بادشہ عادل کو
خالق نے عطا کیا تھا اک شہزادہ
ہشیار، سمجھدار، ذکی و عاقل
جسکا ثانی کسی نے دیکھا نہ سنا
اللہ آمین سے جب سنبھالا کچھ ہوش
اُس نے یک لخت بولنا چھوڑ دیا
لب پر کچھ ایسی لگ گئی مہر سکوت
بیچارے کو گویا ہو گیا تھا سکتا
ہر چند بہت ہی کوششیں کیں سب نے
لیکن اس کو نہ بولنا تھا اصلا
اس کے قدموں پہ رکھدیا باپ نے سر
ضدی لڑکا مگر نہ منہ سے بولا
ہر چند بہت عمل کئے تا امکاں
لیکن دیو سکوت سر سے نہ ٹلا
لوگوں نے یہ مشورہ دیا آخر کار
لیجائیں برائے سیر کوہ و دریا
شاید سیر و شکار سے جی بہلے
شاید کھل جائے غنچۂ پژمردہ
القصہ ہوئی شکار کی تیاری
جنگل کو پئے شکار شہزادہ چلا
کچھ دن سیر و شکار میں بھی گذرے
رازِ سربستۂ خموشی نہ کھلا
اک رات کسی بڑے شجر کے نیچے
شہزادے کیساتھ سب نے ڈیرا ڈالا
ناگاہ کسی شاخ پہ بولا طائر
لیکر بندوق اک شکاری دوڑا
آواز کی سمت بس چلادی بندوق
آواز کے ساتھ ہی وہ ڈالی سے گرا
دی جان پھڑک پھڑک کے جب طائر نے
اُسوقت یہ شاہزادے نے فرمایا

دیکھا انجام بولنے کا تم نے
کمبخت نہ بولتا نہ مارا جاتا

مُنافقت

ہے دورنگی کی زمانہ میں ہوا دودلی ہے سب کے دل میں بیش و کم
ملتے ہیں کیا خوب ہم احباب سے وَعَلَیکُم دل میں زباں پر ویلکم
تم تباہ ہو جاؤ Wellcome.

حجِ کعبہ

ہے خدا کا لاکھ احسان کہ زمانہ حج کا آیا
بصد آرزو و ارماں چلے کعبہ کو فدائی
تھا ہر ایک سر میں سودا۔ تھی ہر ایک دل میں خواہش
کہ کسی طرح ہو آخر۔ دَرِ یار تک رسائی
یہ گناہ گار بے حد۔ یہ سیاہ کار امجد
بہ ہزار شوق نکلا۔ بہ لباس بے نوائی
جو سمایا شوق ناگاہ۔ ہوا قافلہ کے ہمراہ
تھی خدا کی یاد لیکن۔ بہ ثباتِ خودنمائی
وہ صعوبتیں سفر کی وہ تراکم تلاطم
وہ بھنور کہ جس میں پھنسکر نہ ہو صورتِ رہائی
ہوا تیس دن میں جاکر کہیں خاتمہ سفر کا
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسمِ پارسائی
وہ مکانِ ربِّ کعبہ نظر آرہا ہے دیکھو

یہی یار کی گلی ہے یہی مرجع خدائی
ہوئے سب حرم میں داخل ہوئے سب خدا سے واصل
چلا میں بھی ساتھ سب کے بہ خیال جبہہ سائی
وہیں ناگہاں کسی نے مجھے بس یہ کہہ کے روکا
تو برونِ درچہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

قیامتِ صغریٰ

یعنی

طغیانی رودِ موسیٰ ۱۳۲۶ھ

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخورِ مرے تن میں ہوا ہے تارِ اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں
ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی کفِ سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں

میں بڑا ہی سخت جان ہوں غرہ رمضان ۱۳۲۶ھ کی بلا انگیز تاریخ کو مجھ پر مصیبتوں کا جو پہاڑ یک بیک ٹوٹ پڑا اس کے نیچے آسمان بھی پسکر سرمہ ہو جاتا مگر میں ابھی تک زندہ ہوں۔

رودِ موسیٰ کی قیامت آفریں طغیانی دکن کی تاریخ میں تو ہمیشہ یادگار رہیگی۔ لیکن میرے صفحۂ دل پر اُس نے رنج و اَلم درد و کرب یاس و حسرت کے جو آتشیں نقش مرتسم کئے ہیں اُن کی تپش کا اشتداد باوجود اُس فنا کے جو میرے چند باقی ماندہ انفاس کا نتیجہ ہے بقا پر بھی سبقت لیجائے گا۔

دوستوں کی فرمایش ہے کہ اس ہولناک واقعہ کے متعلق جس کی

یاد سے میری روح لرزتی ہے دماغ چکراتا ہے۔ اپنی قوتِ حافظہ پر ظلم اور ناظرین کی لاعلمی پر رحم کر کے جو کچھ ہو سکے سپرد قلم کروں۔

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ نہ دماغ کام دیتا ہے نہ قلم۔ خیال میں وہ اگلی سی رعنائی نہیں۔ قلم سے پہلی سی روانی مفقود ہے۔ محض بر سبیل امتثال امر جو کچھ مجھ پر بیتا ہے ٹوٹی پھوٹی نظم میں بیان کرتا ہوں۔

سر کنم نالہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری

میں موردِ حرماں و گرفتار بلا ہوں — ماں باپ سے بچھڑا ہوا جوں سی جدا ہوں
گہ محو فغاں ہوں کبھی مصروف بکا ہوں — معلوم نہیں خود مجھے میں کون ہوں کیا ہوں

بیہوش کبھی ہوں کبھی ہو جاتا ہے سکتا
وہ عالم حیرت ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

افسانہ کہوں کیا دل بیتابِ تواں کا — کیا ذکر کروں رنج و غم درد نہاں کا
ہوتا نہیں کمبخت اثر آہ و فغاں کا — ہے کون کہ ہمدرد بنے سوختہ جاں کا

کس واقفِ ما نیست کہ از دیدہ چہا رفت
سیلاب سرشک آمد و طوفانِ بلا رفت

جو ہم نے سہا ہے نہ سہا ہوگا کسی نے — دیکھا ہے جو کچھ ہم نے وہ دشمن بھی نہ دیکھے
کچھ ایسے دئے چرخ ستمگار نے چرکے — یک لخت ہوئے قلب و جگر کے کئے ٹکڑے

لختے برد از دل گذرد ہر کہ ز پیشم
من قاش فروش دل صد پارہ خویشم

رونے کے سوا کام نہیں ہے کوئی دم بھر — منظور نظر ہو نہیں سکتا کوئی منظر
تاریک ہے دنیا مری نظروں میں سراسر — سورج کو سمجھتا ہوں میں جگنو کے برابر

درزندگیم روز مرا نور نماندہ است
وز عمر مرا جز شب دیجور نماندہ است

ناکامیوں نے دل میں مچا رکھا ہے اندھیر — چلتی ہے تمناؤں پہ مایوسی کی شمشیر
جینے سے خدا کی قسم اب ہو گیا جی سیر — پھر آنے میں کس واسطے کرتی ہے اجل دیر

ہاں اے ملک الموت ازیں بند رہا کن
رحمے بہ من سوختۂ بے سروپا کن

اے واہ ری تقدیر میں دنیا جب آیا — چالیسویں دن ہی نہ رہا باپ کا سایا
جو باقی تھا دریا نے کیا ان کا صفایا — کمبخت نے اک دم میں عزیزوں سے چھڑایا

زخم دل صد چاک ہم اب کس کو دکھائیں
افسانہ شوریدہ سری کس کو سنائیں

وہ رات کا سناٹا وہ گھنگور گھٹائیں — بارش کی لگاتار جھڑی سرد ہوائیں
گرنا وہ مکانوں کا وہ چیخوں کی صدائیں — وہ مانگنا ہر ایک کا رو رو کے دعائیں

پانی کا وہ زور اور وہ دریا کی روانی
پتھر کا کلیجہ ہو جسے دیکھ کے پانی

دم لینے کی طاقت تھی نہ ستانیکی تاب آہ — تھی زندگی خرد و کلاں نقش بر آب آہ
گرتی تھی الگ سیل رواں خانہ خراب آہ — طوطے کی طرح آنکھیں بدلتے تھے حباب آہ

جاں لینے کو ہر ایک متنفس کے بڑھی تھیں

ہو جب نہیں تیوریاں موجوں کی چڑھی ہیں

تاریکی میں دریا نے اک اندھیر مچایا — سیلاب فنا بن کے کیا سب کا صفایا
پاؤں سے گذرتا ہوا پھر سینہ تک آیا — آگے جو بڑھا موت نے بس حلق دبایا
شب بھر رہے سب پانی میں فوارے کے مانند
ہوتے ہی سحر ڈوب گئے تارے کے مانند

مادر کہیں اور میں کہیں باد دیدۂ پُرنم — بی بی کہیں اور بیٹی کہیں ٹوٹتی تھی دم
عالم میں نظر آتا تھا تاریکی کا عالم — کیوں رات نہ ہو ڈوب گیا نیر اعظم (مراد اعظم النساء دختر)
سب سامنے آنکھوں کے نہاں ہو گئے پیارے
وہ غم تھا کہ دن کو نظر آنے لگے تارے

بیٹی! نہ تجھے باپ نے افسوس بچایا — دست ستم سیل فنا سے نہ چھڑایا
دریا نے ترے حال پہ کچھ رحم نہ کھایا — کیا بھولی سی صورت پہ اسے رحم نہ آیا
یہ جسم ترا پھول سا دیواروں سے ٹکرائے
سیلاب میں بہہ جائے تری ننھی سی جان ہائے

فرقت میں تری کیا کہوں کیا گذرے ہے مجھ پر — ہر وقت ہوا جاتا ہے دل آپ سے باہر
ہے آمد و شد سانس کی چلتا ہوا خنجر — بھرتا نظر آتا نہیں زخم دل مضطر
تو عزم سفر کردی و خستی جگر ما
بستی کمر خویش و شکستی کمر ما

غم چٹکیاں لے لے کے نہ کیوں روح کو تڑپائے — آتی رہے کیوں دل سے نہ ہر وقت صدا ہائے
کیوں چشم جہاں بیں میں اندھیرا نہ چھپا جائے — جب نور نظر ہی نہ ہو کیا خاک نظر آئے

روشن مرے کاشانۂ تاریک کو کر جا
اے نیّر اعظم! مری آنکھوں میں اتر جا

ملنا کہ ہے دنیائے دنی منزلِ فانی — دو روز میں مٹ جاتے ہیں لذاتِ جہانی
پر ایسی بھی کیا جلدی تھی جو جانیکی ٹھانی — دل ہی میں رہی آرزوئے تسمیہ خوانی
باقی تھیں بہت سی ابھی اعظم تری رسمیں
تنگ آ گئی دنیا سے تو کیوں چار برس میں

وہ بوٹا سا قد اور وہ چمکتے ہوئے رخسار — وہ چاند سی پیشانی تری مطلع الانوار
وہ ابروئے خمدار تری تھی سی تلوار — وہ آنکھیں جنھیں دیکھ کے دشمن بھی کریں پیار
تیغِ اجل اک آن میں تڑپا گئی تجھ کو
اے نورِ نظر! کس کی نظر کھا گئی تجھ کو

وہ چاند سی صورت مجھے اے چاند دکھا جا — کچھ میٹھی سی باتیں لبِ نازک سے سنا جا
باقی نہیں اب صبر کی سینہ میں ذرا جا — چھاتی سے پھر اک بار لگا لوں تجھے آ جا
رستہ ترا تکتے ہوئے تنگ آ گئیں آنکھیں
اے نورِ نظر دیکھ کہ پتھرا گئیں آنکھیں

دنیا کا طریقہ ہے کہ مرتا ہے جب انساں — رو دھو کے کیا کرتے ہیں تکفین کا ساماں
لیجاتے ہیں سب مل کے سوئے شہر خموشاں — ہاتھوں سے تہِ خاک اسے کرتے ہیں پنہاں
مٹی کا لگا دیتے ہیں انبار گراں ایک
کہتے ہیں ہوئے آدمی کا ہے یہ نشاں ایک

کرتا ہے اگر تنگ بہت ہی دلِ مضطر — بے ساختہ تربت سے لپٹ جاتے ہیں جا کر

دو پھول چڑھا دیتے ہیں بیکس کی لحد پر   بیتابی میں مرقد سے رگڑتے ہیں کبھی سر

فی الجملہ حرارت تو نکل جاتی ہے دل کی

گو کچھ نہ ہو ہوتی ہے مگر پھر بھی تسلّی

کس جا سے میں اب ڈھونڈ ہوئی نعشوں کو لاؤں   بیٹی کا پتا کیا ہے۔ کہاں بی بی کو پاؤں

دوں کس کو کفن کس کا میں تابوت بناؤں   ہے قبر کہاں پھول کہاں جاکے چڑھاؤں

ہے ہے ہدفِ رنج و محن کر گئیں اماں

افسوس کہ بے گور و کفن مر گئیں اماں

اے موجِ فرعون صفت کچھ تو کرم کر   اے موج ذرا دیکھ۔ مری حالتِ مضطر

ہاں اے لبِ ساحل نہ رکھ اب مجھکو مکدر   کہدے کہ کہاں ہے مرا کھویا ہوا گوہر

ہاں اے صدفِ صاف خدا کیلئے منھ کھول

چپ کیوں ہے تو اے ماہیِ سر بر زدہ کچھ بول

خاموش تو کس واسطے ای برقِ تپاں ہے   آخر ترے منھ میں بھی تو اے رعد زباں ہے

اے مہرِ جہاں تاب! مرا چاند کہاں ہے   کس چاہ میں وہ یوسفِ گم گشتہ نہاں ہے

اے قافلۂ ریگ رواں تو ہی بتا دے

کس جا ہے مری مادرِ مرحومہ پتا دے

جب انجمنِ عیش و طرب ہو گئی برباد   افسردہ بھلا کیوں نہ رہے خاطرِ ناشاد

تنہائی میں آتی ہے عزیزوں کی اگر یاد   بیساختہ کرتا ہے دلِ غمزدہ فریاد

اشک آنکھوں سے جاری ہیں کبھی لب پہ فغاں ہے

مرنے کیلئے مرتے ہیں پر موت کہاں ہے

ہر وقت کبھی رہتی ہے دل میں صف ماتم — ہوتا نہیں رونا کبھی دم بھر کے لئے کم
سب چل بسے باقی نہ رہا ایک بھی ہمدم — بیٹی کا کہ نبی بی کا۔ کہ مادر کا کروں غم
آتا نہیں اب آہ سمجھ میں کوئی مضمون
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کس کس کو میں روؤں

جنگل سے سروکار نہ جی لگتا ہی گھر میں — غم شام و سحر چٹکیاں لیتا ہے جگر میں
پھرتی ہے عزیزوں ہی کی تصویر نظر میں — سو مرتبہ یاد آتی ہے ماں آٹھ پہر میں
سنگِ غم مادر دلِ نازک پہ گراں ہے
یہ زیست خدا کی قسم اب کاہش جاں ہے

لِلّٰہ یہ بگڑی ہوئی تقدیر بنا لو — میں خاک پہ گرنے کو ہوں لو جلد سنبھالو
امجد کو بھی اعظم کی طرح پاس بلا لو — اک بار ذرا پھر مجھے چھاتی سے لگا لو
دل میں مرے اب صبر کی طاقت نہیں اماں
دنیا میں بغیر آپ کے راحت نہیں اماں

تصویر غم

کھلا سکے نہ صبا جسکو میں وہ غنچا ہوں — کسی سے ہو نہ سکے حل میں وہ معما ہوں
تباہ گشتہ چمن آب رفتہ دریا ہوں — میں کیا کہوں تجھے ہمدم! میں کون ہوں کیا ہوں
گذشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشانِ سرِ مزار ہوں میں

ہرا بھرا چمنستانِ رشکِ باغ جناں — ہزار حیف کہ دم بھر میں ہو گیا ویراں

سناؤں کس کو سُنے کون نالۂ و فغاں — نہ خویش ہے نہ برادر نہ سر پہ باپ نہ ماں

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم

حدیثِ دل بہ کہ گویم عجیب غمے دارم

نظر سے گر گیا آنسو کی طرح ہر منظر — نہ باغ سے کوئی مطلب نہ خواہش گل تر

ہے کچھ تجھی سے تسلیٔ خاطرِ مضطر — نہ مجھ سے آنکھ چرا اے قصور مادر

رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تُست

کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تُست

یہ مُرغِ جان مرا بے بال و پر رہے کب تک — تنِ ضعیف تہِ بارِ سر رہے کب تک

عزیزاں سے پسر بے خبر رہے کب تک — یہ جسم پردۂ چشمِ نظر رہے کب تک

حجابِ چہرۂ جاں میشود غبارِ تنم

خوشا دمیکہ ازیں چہرہ پردہ بر فگنم

اُمیدِ خاطرِ محزوں کبھی بر آئے گی — کبھی تو گردشِ افلاک رنگ لائیگی

تڑپ تڑپ کے کسی دن تو جان جائیگی — کبھی تو رُوح اَلم سے نجات پائے گی

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند

چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

تجھے نہیں ہے نشیمن ہوں میں بھی خانہ بدوش — تری رگوں میں حرارت ہے میرے خون میں جوش

وفور گریہ سے ہو جاؤں میں تو یوں بیہوش — جھکائے سر کو سرِ شاخ تو رہے خاموش

بنالِ بلبل اگر بامنت سرِ یاریست

کہ ما دو عاشقِ زاریم و کارِ ما زاریست

جگر میں چٹکیاں لیتا ہے درد بیدِ ماں ۔ ہے خوں فشانی پہ آمادہ چشمِ اشک فشاں
دلِ حزیں میں نہیں تابِ ضبطِ آہ و فغاں ۔ نہ منع کر مجھے رونے سے ناصحِ ناداں

بروبکارِ خود اے واعظ اینچہ فریاد است
مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتاد است

کبھی تو کشتِ تمنا بہار پر آتی ۔ کبھی تو آرزوئے جانِ زار بر آتی
کبھی تو صورتِ امید کچھ نظر آتی ۔ کبھی کوئی عدم آباد کی خبر آتی

صبا اگر گذرے افتدت بکشورِ دوست
بیار نفحہ از گیسوئے معنبرِ دوست

ہزاروں گھر ہوئے ظالم اجل کے ہاتھ خراب ۔ فنا کی سیکڑوں چہروں پہ پڑ گئی جلباب
بہت سے ڈوب گئے آفتابِ عالمتاب ۔ خدا کسی کو نہ دے داغ فرقتِ احباب

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

ایک بیکس کا خواب

ایک شب لیٹ گیا تھک کے میں جب بستر پر ۔ چٹکیاں لینے لگا دل میں خیالِ مادر
ہو گیا پیشِ نظر ماں کی محبت کا سماں ۔ پھر گیا سامنے آنکھوں کے گزشتہ منظر
وہ مسرت کا زمانہ وہ خوشی کی گھڑیاں ۔ ہائے وہ انجمنِ عیش و طرب ہائے وہ گھر
غم کے آنسو کبھی آنکھوں میں اگر آجاتے ۔ مردمِ دیدہ پکار اٹھتے کہ باہر باہر
چپہ چپہ تھا مرے گھر کا مقامِ عشرت ۔ ذرہ ذرہ تھا مکاں کا فلکِ شمس و قمر

نہ کسی رنج کا دھڑکا نہ الم کا کھٹکا
ہائے کس لطف سے ہوتی ہی بسر شام و سحر

تھا اسی طرح خیالات میں غلطاں پیچاں
درد اٹھتا کبھی دل میں کبھی جلتا تھا جگر

اور ہی کچھ نظر آنے لگا عالم ناگاہ
واہمہ نے جو مرے حال پہ کی اک نظر

اِک نئی بھول بھلیاں میں تھا سرگشتہ دماغ
سامنے آئے خیالات مجسم ہو کر

پہلے کچھ دھندلی سی تصویریں نظر آنے لگیں
کبھی مٹ جاتی تھیں ہوتی تھیں نمایاں دم بھر

آنکھیں مل مل کے بہت غور سے دیکھا میں نے
اٹھ گیا چشم سے یک لخت حجاب اکبر

دیکھتا کیا ہوں کہ ہیں جمع خواتین کرام
گود میں ننھے سے بچے بھی ہیں با دیدۂ تر

وہ خواتین کہ جو باہر نہ نکلتی تھیں کبھی
غیر محرم کی کبھی جن پہ نہ پڑتی تھی نظر

بال کھولے ہوئے جنگل میں پڑی پھرتی ہیں
پاؤں میں اُن کے نہ جوتی ہی نہ سر پر چادر

ہو کے بیچین وہ جب درد سے چلاتی ہیں
کانپ اٹھتا ہے وہیں عرش خدائے اکبر

ہو گئیں بند مری خوف سے آنکھیں فوراً
خانۂ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر

سنسنی چھوٹ گئی جسم میں دل کانپ اٹھا
رہ گیا صورت آئینہ میں ششدر ہو کر

پھر کھلی آنکھ تو آئی نظر اک تازہ بہار
دل کی پژمردہ کلی کھل گئی مثل گل تر

سامنے باغ ہے اور باغ بھی کیسا نایاب
جسکی تعریف سے قاصر ہے ہر اک جن و بشر

شیخ نے چھوڑ دیا جس کے لئے دنیا کو
جسمیں رہتے تھے کبھی آدم و حوا مل کر

دودھ اور شہد کی بہتی ہیں کسی جا نہریں
لہریں لیتا ہے کہیں چشمۂ آب کوثر

جدھر اُٹھتی ہو نظر۔ نور نظر آتا ہے
جگمگاتا ہے چمن وادی ایمن بن کر

زینت بزم گلستاں ہیں خواتین کرام
جن پہ ہے سایۂ الطاف خدائے اکبر

اِن میں ہی مادر مرحومہ بھی مجھ بیکس کی
وہی صورت وہی نقشہ ہی وہی ہیں تیور

ہوگئیں پیار بھری آنکھوں سے جب چار آنکھیں — دل نے چاہا کہ نکل جائے تڑپ کر باہر

دوڑ کر جوشِ محبت میں وہیں جا لپٹا — ماں نے بھی کھینچ کے چھاتی سے لگایا دم بھر

بیکسی دور ہوئی دل کے پھپھولے پھوٹے — حسرتیں یاس سے منہ تکنے لگیں گھبرا کر

ہائے تھی پیار کی نظروں میں عجب کیفیت — ہائے آغوشِ محبت تھا غضب کیف آور

پھر دیا پیار سے اک خوشۂ انگور مجھے — رکھ لیا زانو پہ مجھ بیکس و مغموم کا سر

عرض کی میں نے یہ رو کر مری پیاری اماں — رنجِ فرقت کے سہے میں نے بہت شام و سحر

کیجئے اب نہ جدا پھر خدا قدموں سے — رکھئے چھاتی سے اسی طرح مجھے لپٹا کر

ناگہاں شک نے ذرا سلسلہ جنبانی کی — ہو گیا گو وسے ماں کی ہیں تڑپ کر باہر

لذتِ وصل کا کیا لطف مٹایا شک نے — دلِ بیتاب نے تسکین نہ پائی دم بھر

پوچھا کیا مادرِ غمخوار تمھیں ہو میری — چاہتی تھی تمھیں اس درجہ مجھے شام و سحر

تم ہی ماں ہو یہ یاد نہیں آتا مجھ کو — ہائے مدت ہوئی دنیا سے تمھیں کئے سفر

ہنس کے فرمایا کدھر ہے ترا ناداں خیال — کھول کے آنکھ ذرا دیکھ مرے نورِ نظر

ماں کو اک سال میں افسوس بھلایا دل سے — کیا یہی شرطِ محبت کی ہے جانِ مادر

گر تجھے اب بھی ہے کچھ شک تو چلی جاتی ہوں — پھر نہ کہنا کبھی بے چینی میں "مادر مادر"

یہ کہا اور چلیں موڑ کے منھ ہائے غضب — چل گیا بس دلِ محزوں کے گلے پر خنجر

وہیں امید نے پھر مجھ کو دلایا یہ یقیں — شک کی باتوں پہ خبردار کبھی کان نہ دھر

فی الحقیقت یہ تری ماں ہے تو اس کا بیٹا — ہاتھ سے جائے نہ دامان خیالِ مادر

دل سے امید نے جب نقطۂ شک جھیل دیا — ہاتھ پھیلا کے بڑھا جلد میں سوئے مادر

دھندلی ہونے لگی تصویرِ محبت ہے ہے — مٹتے مٹتے نہ رہا کچھ بھی تو پھر اسکا اثر

آنکھیں پتھرائی ہوئی رہ گئیں اک سکتے میں — مردم دیدہ یہ کہنے لگے آنسو پی کر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

مرا بہ عید چہ کار

اگرچہ موسم عید است و جوش فصل بہار — صدائے عیش دہد با ہزار لحن ہزار

اگرچہ وقت طرب ہست و روز عیش فزا — جہانیاں بمسرت جہاں بہ نقش و نگار

یکے بخندہ کہ عید مہ صیام آمد — یکے بناز کہ بخت منست برخوردار

یکے بفرح کہ عید آمد و بہار آمد — یکے بفخر کہ داریم پوشش زرتار

وزد بہ صحن گلستان نسیم عنبر بیز — لباس عالمیاں ہست طبلۂ عطار

یکے رود سوئے بازار و در لباس حریر — یکے رود سوئے گلزار بانئے دف و تار

یکے ستادہ بیاراں کند معانقہا — یکے نشستہ بمسجد برائے استغفار

یکے منم کہ علی الرغم عالم و آدم — کنم بہ ناخن غم سینہ و جگر افگار

کنم بہ نالۂ جاں کاہ خیر مقدم عید — جگر بہ آتش غم چشم زار دریا بار

ہزار اشک فشانم مگر ہنوز کم است — ہزار نالہ چو مشتے نمونہ از خروار

چرا نگریم و چوں چشم خونفشاں نشود — کہ با قیام وطن گشتہ ام غریب دیار

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم — حدیث دل بہ کہ گویم کرا کشم بکنار

بہار را چہ کنم زینت بہار نماند — نگار را چہ کنم رفت وقت نقش و نگار

بگو بہ ابر بہاراں کہ اشک خوں بارد — بگو بہ گلشن شاداب ہاں شود فی النار

بغیر غسل برفتند چوں زن و دختر
زغسل بیکر زارم چرا نہ دارد عار

چو مادرم ز جہاں شد بغیر گور و کفن
چرا نہ بر تنم آید لباس فاخرہ بار

چہ دل کشاید از نیم کہ زندہ در گورم
غم عزیز و اقارب بدل گرفتہ قرار

فرو شدند بہ سیلاب دختر و مادر
نماند جان غمین مرا کسے غمخوار

باین امید کہ عکسے ز دوستان بینم
کنار آب نشستم بسان بوتیمار

برنگ ریگ رواں کاروان عمر رواں است
چو موج دجلہ بیکدم دلم ندید قرار

امید نیست کہ عمر گزشتہ باز آید
امید نیست کہ یارم دگر رسد بہ کنار

نہ آید آب فرو رفتہ باز اندر جو
گل فسردہ نخندد بصد ہزار بہار

شہید تیغ جفایم زمن مرنج اے دوست
بروز عیش بگریم اگر چو ابر و بہار

بعید شاد ہمہ خلق و من بعید از یار
چو من بعید ز یارم مرا بہ عید چہ کار

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

تھے کیسے کیسے لوگ زمانہ میں سربلند
رکتا نہ تھا غرور کا جن کے کہیں سمند

شاہان سرفراز سلاطین خود پسند
بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند

کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند

خالی نہیں ہے موت کے خطرہ سے کوئی دل
دست اجل نے سینہ پہ رکھی ہے سب کے سل

یکساں ہو زیر خاک توانا و مضمحل
آں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر گل

خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند

خالق نہاد دار و مدار جہاں بہ خیر
ذی عقل یافت زندگی جاوداں بخیر

تا بد چو مہر۔ اختر نام و نشاں بہ خیر
زندہ ہست نام فرخ نوشیرواں بہ خیر

گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

کیا زیست کا گھمنڈ کہ ہے مستعار عمر
ملتی نہیں کسی کو کبھی بار بار عمر

کر لے جو ہو سکے۔ کہ ہے بے اعتبار عمر
خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر

زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

یتیم لڑکی کی دُعا

مقصد مراد لا دے او آسمان والے
قسمت مری جگا دے او آسمان والے

گم گشتہ کا پتا دے او آسمان والے
راہِ عدم بتا دے او آسمان والے

ماں باپ سے مِلا دے او آسمان والے

ہر لحظہ چشم تر ہوں دن رات نوحہ گر ہوں
اتنی خبر نہیں ہے میں کون ہوں کدھر ہوں

ماتم میں وارثوں کے دنیا سے بیخبر ہوں
اس کمسنی میں ہے ہے بے مادر و پدر ہوں

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

ظالم اجل نے بالکل تاراج کر دیا گھر
سب چل بسے عدم کو اب باپ ہے نہ مادر

اب پیار کرنیوالا کوئی نہیں ہے دم بھر
آنکھیں لگی ہیں میری مالک ترے کرم پر

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

او آسماں ستمگر مجھ پر نہ یوں ستم کر
کم عمر خستہ جاں پر اب جور و ظلم کم کر

او باغبانِ قدرت! شاخِ الم قلم کر
بیوارثوں کے وارث! بیکس پہ بھی کرم کر

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

دونوں جہاں کے مالک! ہے لطف عام تیرا
تسکین دہ جہاں ہے مشکل میں نام تیرا
فضل و کرم جہاں میں ہے صبح و شام تیرا
بچھڑوں سے بھی ملانا یارب ہے کام تیرا

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

اپنا وسیلہ یارب گردانتی ہوں تجھ کو
حاجت روائے عالم میں مانتی ہوں تجھ کو
ہوں بے شعور لیکن پہچانتی ہوں تجھ کو
ماں باپ سے زیادہ میں جانتی ہوں تجھ کو

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

ماتم میں ہمدموں کے دم اپنا توڑتی ہوں
دنیا نے مجھ کو چھوڑا میں اسکو چھوڑتی ہوں
بابِ کرم پہ تیرے سر اپنا پھوڑتی ہوں
منت سے تیرے آگے اب ہاتھ جوڑتی ہوں

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

قتیلِ جفا اِسنُوہیلتا

ایک لڑکی تھی کہیں سنہیلتا۔
جس کا سِن تھا تیرہ چودہ سال کا
دل رُبا انداز مکھڑا چاند سا
دیکھتا جو کوئی کہتا بر ملا

سحر دار د نرگس جادوئے تو
کرد سنبل را پریشاں موئے تو

دیکھکر اُس کا شباب اور سن و سال
باپ کو آتا تھا شادی کا خیال
تھا مگر افلاس سے آشفتہ حال
سخت تر تھا لڑکے والوں کا سوال

مانگتے تھے وہ کم از کم دو ہزار

کس طرح بے کس اٹھا سکتا یہ بار

چاہتا تھا بیچ دے رہنے کا گھر
جھونپڑے میں زندگی کر لے بسر

بار جو کچھ ہو اُٹھا لے اپنے سر
دستگیر بے کساں ہے پرمیشر

زندگی جیسے بنے کٹ جائے گی

ورنہ عزت چار میں گھٹ جائے گی

مل کے اکدن شوہر و زن ساتھ تھا
کرتے تھے سنہیلتا کی شادی کی بات

کہتے تھے افلاس میں ہیں مشکلات
آبرو انساں کی ہے دولت کے ہات

زر تواند ذرہ را اختر کند

زر تواند قطرہ را گوہر کند

پاس پردہ کے تھی سنہیلتا کھڑی
بات ان کی کان میں اُس کے پڑی

آگئی سنسان میں اک دو گھڑی
لیک تھی بچپن میں فہمیدہ بڑی

سوچ کر کچھ۔ آگئی اپنی جگہ

آہ۔ وہ غش کھا گئی اپنی جگہ

اٹھ کے پھر بستر سے وہ کہنے لگی
آہ تف ہے زندگانی پر مری

میری خاطر باپ پر بپتا پڑی
ہائے میں کمبخت کیوں پیدا ہوئی

خوب بودے گر نہ زادے مادرم

جائے شیرم زہر دادے مادرم

باپ پر ٹوٹے ستم میرے لئے
وہ اٹھائے رنج و غم میرے لئے

بیس سو ہوں کم سے کم میرے لئے
بیچ کر گھر دے رقم میرے لئے

اُن سے کہدے کوئی ازراہِ کرم
اب وہ بیٹی کا کریں کریا کرم

الوداع اے نوجوانی الوداع   الوداع اے زندگانی الوداع
الوداع اے سخت جانی الوداع   الوداع اے دہر فانی الوداع

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس دم گھبرا گیا

اتنا کہکر اُٹھ چلی مستانہ وار   کھول دی اک بار زلفِ مشکبار
دوش پر تھے سنبل تر تار تار   چاند کے دو رُخ تھا ابر تیرہ تار

قدرت پروردگار آمد نظر
جلوۂ لیل و نہار آمد نظر

آہ کیوں کر کہہ سکوں پھر کیا ہوا   کیا لکھوں ہے ہے پھر اُس نے کیا کیا
نقشِ غم کا کھینچ سکے کیوں کر بھلا   جب بگڑنے کو ہے خود نقشہ میرا

درد مارا نیست درماں الغیاث
رنج مارا نیست پایاں الغیاث

سر پہ روغن ڈالکر جلنے لگی   شمع تھی کافور کی جلنے لگی
زندگی کی دوپہر ڈھلنے لگی   ہاتھ غم سے موت بھی ملنے لگی

ہو گئی جل بھن کے ٹھنڈی شعلہ فام
چاند سی صورت ہوئی آخر تمام

ہو کہیں غارت یہ رسم ناروا   جل گئی افسوس اسنو ہیلتا

اس کی غیرت کا یہی تھا اقتضا　　واہ لڑکی مرحبا صد مرحبا
زندۂ جاوید مرجاتے ہیں یوں
کرنیوالے نام کرجاتے ہیں یوں
غم سے تھی ماں باپ کی حالت بُری　　جل گئی اُمید کی ڈالی ہری
اڑ گئی دم بھر میں شیشے سے پری　　رہ گئی بس خاک کی ڈھیری دھری
جسم سنہیلتا کا بالکل خاک تھا
آنکھ جھپکی تھی کہ قصہ پاک تھا
ہوگئی برباد شاخِ یاسمیں　　خاک کی ڈھیری تھی سنہیلتا نہیں
خاک سے آتی ہے آواز حزیں　　اے پدر! برخیز حالِ من ببیں
بشنو ایں خاکم حکایت می کند
و از رسمِ بد شکایت می کند

دُو گز زمیں دُو گز کفن

ہے آخر ہر مدعا دو گز زمیں دو گز کفن
پاتا ہے ہر شاہ و گدا دو گز زمیں دو گز کفن
مسکن بناؤ دل کشا پہنو لباس فاخرہ
آخر ہے قسمت میں لکھا دو گز زمیں دو گز کفن
پوچھا جب اہل قبر سے دنیا سے تم کیا لے گئے

اک غیب سے آئی صدا دو گز زمیں دو گز کفن

لُوٹا ہمارا مال و زر خویش و اقارب نے مگر
پُوچھو تو اِن کو کیا ملا دو گز زمیں دو گز کفن

طیبہ کی خاکِ پاک سے دستِ شہِ لولاک سے
مل جائے ہم کو اے خدا دو گز زمیں دو گز کفن

بالخیر
تمت

تصانیف امجد حیدرآبادی

ریاض امجد حصہ اول بار پنجم عہ ریاض امجد حصہ دوم بار سوم

رباعیات امجد حصہ اول بار پنجم ۱۲ر

رباعیات امجد حصہ دوم بار سوم ۸ر

رباعیات امجد حصہ سوم بار اول عہ

خرقۂ امجد ۸ر نذر امجد بار سوم ۸ر ایوب کی کہانی

حج امجد بار دوم ۵ر جمال امجد بار دوم للعہ حکایات امجد

پیام امجد ۵ر

میاں بیوی کی کہانی بار دوم ۸ر

گلستانِ امجد بار سوم ۵ر ۸ر

کامل سٹ

للعہ ۲۴ چوبیس روپیہ کو دیا جاتا ہے

ملنے کا پتہ

آغا پورہ جدید حیدرآباد دکن مکانِ مصنف نمبر جدید ۲۴۷ 3-1/4